رُوح القدس کون ہے؟

اہم سوالات

آر۔ سی۔ سپرول

رُوح القدس کون ہے؟

اہم سوالات

ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول

UCRT
URDU CENTER FOR
REFORMED THEOLOGY
اُردو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی

جُملہ حقوق بحق ناشرین محفوظ ہیں

Originally published in English under the title:
Who Is the Holy Spirit?
© 2012 by R.C. Sproul

Published by Ligonier Ministries
421 Ligonier Court, Sanford, FL 32771, U.S.A.
Ligonier.org
Translated by permission. All rights reserved.

نام کتاب:	رُوح القدس کون ہے؟
مصنف:	آر۔ سی۔ سپرول
ترجمہ کار:	روبن جون
نظرِ ثانی:	ڈاکٹر ایلیاہ میسیؔ
اِشاعت:	۲۰۲۶ء
ناشرین:	اُردُو سنٹر فار رِیفارمڈ تھیولوجی www.ucrt.org

اِس کتاب کا ترجمہ اور اِشاعت "لیگنئیر منسٹریز" (Ligonier Ministries) اَمریکہ کی اِجازت سے کیا گیا ہے۔ آپ اِس کتاب کو ہماری ویب سائٹ اُردُو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی www.ucrt.org سے مفت حاصل کر سکتے ہیں، مگر یہ کتاب فروخت کے لئے نہیں۔

فہرستِ مضامین

۱۔ دِیباچہ ۱

۲۔ تیسرا اَقنوم ۸

۳۔ زندگی دینے والا ۱۷

۴۔ شفاعت کرنے والا / مددگار ۲۵

۵۔ تقدِیس کرنے والا ۳۴

۶۔ مسح کرنے والا ۳۴

۵۔ نور بخشنے والا ۳۴

دِیباچہ

جب میں ستمبر ۱۹۵۷ء میں مسیحی بنا تو میں نے اپنے آپ کو ایک سنجیدہ کشمکش میں مبتلا پایا، میری منگنی ہو چکی تھی، مگر جب مَیں نے اپنی منگیتر کو اپنی نئی پیدایش کے بارے میں بتایا تو اُس نے یہ سمجھا کہ مَیں اپنا ذہن کھو بیٹھا ہوں۔ یہ نہایت پریشان کُن بات تھی، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ مَیں یہ بھی سیکھ رہا تھا کہ مجھے کسی بے اِیمان سے شادی نہیں کرنی چاہئے، چناں چہ مَیں یہ سوچنے لگا کہ آیا مَیں اُس عورت سے شادی کر سکوں گا جس سے مَیں محبت رکھتا تھا، اور کئی مہینے گزر جانے کے بعد بھی اِس کشمکش کا کوئی حل نہ نکل سکا۔

بالآخر موسمِ بہار کی تعطیلات قریب آ گئیں اور میری منگیتر نے اُس کالج سے، جہاں وہ زیرِ تعلیم تھی اپنے گھر یعنی پٹس برگ جانے کا اِرادہ کر لیا، اور مَیں نے اُسے آمادہ کیا کہ وہ میرے کالج میں قیام کرے، میرے ساتھ کیمپس میں ہونے والے بائبل کے مطالعہ میں شریک ہو اور پھر لڑکیوں کے ہاسٹل میں رات گزارے۔ مجھے یاد نہیں کہ مَیں نے کسی اَور بات کے لئے اِس قدر دُعا وقت میں گزارا ہو۔ اُس کی آمد سے ایک دِن پہلے مَیں تقریباً سارا دن اپنے گھٹنوں کے بل ہو کر یہ دُعا کرتا رہا کہ خدا اُس کی زِندگی میں کام کرے اور آخر کار مَیں اِس نتیجے پر پہنچا کہ اگر وہ جلد مسیحی نہ بنی تو مجھے منگنی توڑنی پڑے گی، اگرچہ مَیں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اُس رات جب ہم بائبل کے مطالعہ کے لئے گئے تو وہ پورا وقت بغیر کچھ کہے خاموش بیٹھی رہی۔ بعد اَزاں مَیں اُسے لڑکیوں کے ہاسٹل تک لے گیا اور وہ اُس وقت بھی بہت خاموش تھی۔ تاہم اگلی صبح جب مَیں اُس سے ملنے گیا تو وہ یوں باہر آئی گویا وہ فضا میں چل رہی ہو، اُس نے

مجھے بتایا کہ گزشتہ شب اُس کے ساتھ کچھ ایسا واقع پیش آیا کہ اُسے سونے میں بہت دُشواری ہوئی ۔ وہ رات میں بار بار جاگتی، اپنے آپ کو جھنجھوڑتی اور خود سے یہ سوال کرتی کہ "کیا یہ اب بھی میرے پاس موجود ہے؟" ہر بار وہ اپنے آپ سے کہتی "ہاں، یہ اب بھی میرے پاس موجود ہے" اور پھر سو جاتی، کیوں کہ پچھلی رات کلامِ مقدّس کے مطالعہ کے وسیلے سے اُس کی مسیح میں نئی پیدایش ہو چکی تھی۔

اُس شاندار صبح کی نہایت خوب صورت یادوں میں سے ایک وہ لمحہ ہے جب ہم دونوں میری گاڑی میں بیٹھ رہے تھے اور وہ مجھے اپنے تجربے کے بارے میں بتا رہی تھی تو اُس نے میری طرف دیکھا اور بڑے جوش کے ساتھ کہا کہ "اب مَیں جان گئی ہوں کہ رُوح القدس کون ہے"۔ یقیناً وہ گزشتہ کئی برسوں سے چرچ جا رہی تھی، اُس نے رُوح القدس کا ذِکر سُن رکھا تھا، اُس نے وہ برکت بھی سُنی ہوئی تھی جو باپ، بیٹے اور رُوح القدس کے نام میں دی جاتی ہے، مگر اب پہلی بار اُسے حقیقت میں یہ اِدراک ہوا کہ رُوح القدس کون ہے۔

میری منگیتر کا وہ بیان، جو کہ اب میری بیوی ہے، نہایت معنی خیز تھا۔ غور کریں کہ اُس نے یہ کہا: "اب مَیں جان گئی ہوں کہ رُوح القدس کون ہے" نہ کہ "اب مَیں جانتی ہوں کہ رُوح القدس کون ہے"۔ اپنی تبدیلی میں اُس نے مسیحیت کو محض ایک نظریاتی مفہوم کے طور پر سمجھنے سے خدا کے ساتھ ایک شخصی تعلق کے طور پر سمجھنے کی جانب منتقلی کی، اور اُن اوّلین سچائیوں میں سے ایک جسے اُس نے سمجھا، یہ تھی کہ رُوح القدس ایک شخص ہے، نہ کہ محض کوئی شَے۔

یہ نہایت ہی اہم نکتہ ہے کہ مسیحی اِس بات کو جانیں کہ رُوح القدس کون ہے اور اُس کے اُس بنیادی کردار کو کسی حد تک سمجھیں جو وہ اُن کی زندگیوں میں ادا کرتا ہے۔ اِسی لئے مَیں

نے یہ کتابچہ تحریر کیا ہے۔ یقیناً رُوح القدس کے بارے میں بائبلی تعلیم اِس قدر وسیع ہے کہ اِس حجم کی کتاب میں اُسے مناسب طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اِس کتابچہ میں میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مَیں اِس سوال کے نہایت بنیادی جوابات فراہم کروں کہ ''رُوح القدس کون ہے'' اور پھر مختصراً اُن اہم کرداروں میں سے چند ایک کو بیان کروں جو وہ اِیمان داروں کی زِندگیوں میں ادا کرتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مَیں آپ کو اپنی کتاب The Mystery of the Holy Spirit کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتا ہوں۔

میری دُعا ہے کہ رُوح القدس کے بارے میں لکھا جانے والا یہ مختصر رِسالہ آپ کو اُس خدا کے ساتھ ایک گہرے تعلق میں لے جائے جس سے آپ محبت رکھتے اور جس کی خدمت کرتے ہیں، یعنی باپ، بیٹا اور رُوح القدس۔

پہلا باب

تیسرا اقنوم

بطور مسیحی ہم خدا کے وجود کے بارے میں ایک تارِیخی صیغہ کو قبول کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ "خدا جوہر کے اِعتبار سے ایک ہے اور اَقانیم کے اِعتبار سے تین" ۔دُوسرے اَلفاظ میں، خدا خدائے ثالوث ہے، وہ تثلیث ہے۔اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُلوہیت میں تین اَقانیم ہیں۔ اِن اَقانیم کو عِلمِ اِلٰہی میں ایک دُوسرے سے الگ شخصی وجود کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔اِن تینوں، یعنی باپ، بیٹا اور رُوح القدس کے درمیان فرق حقیقی فرق ہے مگر جوہری فرق نہیں ۔دُوسرے اَلفاظ میں، اُلوہیت کا جوہر ایک ہی ہے، تین نہیں۔ بطور اِنسان اپنے تجربے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس سے ہم ملتے ہیں ایک الگ وجود رکھتا ہے۔ ایک شخص کا مطلب ایک وجود ہوتا ہے اور اِسی طرح ایک وجود ایک ہی شخص کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر اُلوہیت میں ایک ہی وجود ہے جس میں تین اقانیم ہیں۔ ہمیں اِس اِمتیاز کو برقرار رکھنا لازم ہے، ورنہ ہم کسی نہ کسی صورت میں عقیدۂ تکثیریت میں پھسل جائیں گے اور اُلوہیت کے تینوں اقانیم کو تین الگ وجود سمجھ بیٹھیں گے کہ تین الگ الگ خدا ہیں۔

ہم میں سے کوئی بھی تثلیث کی گہرائیوں کو مکمل طور پر نہیں ناپ سکتا، لیکن ہم اِسے بہتر طور پر سمجھنے کے لئے کچھ چھوٹے قدم اُٹھا سکتے ہیں۔ یہاں وجود اور اقانیمِ ثلاثہ جیسے اَلفاظ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔

وجودِ الٰہی اور اقانیمِ ثلاثہ (خدا کے تین اَقنوم)

اپنے سیمنری کے طلبہ کے ساتھ مَیں ایک کھیل کھیلا کرتا تھا جس میں مَیں اُن سے پوچھتا کہ "کیا خدا وجود رکھتا ہے؟" اور وہ کہتے "یقیناً خدا وجود رکھتا ہے"۔ پھر مَیں اُن سے کہتا "نہیں، خدا وجود نہیں رکھتا" اور اُن کے چہروں پر خوف زدہ تاثرات دیکھنا ہمیشہ بہت دلچسپ ہوتا تھا جب وہ یہ سوچنے لگتے تھے کہ آیا اُن کے پروفیسر نے مسیحیت کو ترک کر دیا ہے اور وہ اپنے اِیمان سے دست بردار ہو گیا ہے۔ مگر مَیں فوراً اُن پر رحم کرتا اور یہ واضح کر دیتا تھا کہ جب مَیں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ خدا وجود نہیں رکھتا تو مَیں ایک چھوٹا سا فلسفیانہ کھیل کھیل رہا ہوتا ہوں۔

لفظ "exist" لاطینی لفظ "existare" سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے "باہر کھڑے ہونا"۔ لہٰذا لفظ "exist" کے لفظی معنی ہیں "باہر کھڑے ہونا"۔ اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اگر آپ وجود رکھتے ہیں تو آپ اپنے کام میں غیر معمولی یا نمایاں ہیں۔ واضح سوال یہ ہے کہ ایک وجود رکھنے والا آخر کس چیز سے باہر کھڑا ہوتا ہے؟

وجود کے تصوّر کی جڑیں قدیم فلسفے میں پیوست ہیں، جہاں فلسفی وجود کے سوال کے بارے میں نہایت گہری سنجیدگی کے ساتھ فکر مند پائے جاتے تھے اور ہم بھی اِسی سوال کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔ درحقیقت جب ہم وجودِ الٰہی اور اپنے درمیان فرق کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اُسے سب سے بزرگ ذات کے طور پر پہچانتے اور اپنے آپ کو اِنسانی وجود کے طور پر سمجھتے ہیں۔ تاہم، یہ اِمتیاز کچھ حد تک گمراہ کُن ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ دونوں بیانات میں لفظ "وجود" اِستعمال ہوا ہے، اِس لئے ہم خدا اور اپنے درمیان فرق کو جاننے کے لئے اُن وصفی اَلفاظ کی طرف دیکھتے ہیں: وہ سب سے بزرگ ہے اور ہم اِنسان ہیں۔ دراصل خدا اور اِنسان کے

درمیان سب سے بڑا فرق خود وجود ہی میں پایا جاتا ہے۔ خدا وجودِ مطلق ہے، ایسا وجود جو اَزل سے ہی اپنی زِندگی اپنے اندر رکھتا ہے، جبکہ اِنسانی وجود ایک مخلوق ہے، یعنی ایسا وجود جس کا اپنا وجود ہر لمحے سب سے بزرگ ہستی کی قدرت پر منحصر پایا جاتا ہے۔ خدا کا وجود نہ کسی چیز پر منحصر ہے اور نہ ہی کسی چیز سے ماخوذ، کیوں کہ اُس کے پاس یہ قدرت ہے کہ وہ اپنے اندر اور اپنے آپ سے وجود رکھتا ہے۔

جب قدِیم فلسفی وجود کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور اُس لاطینی لفظ کو اِستعمال کرتے تھے جس کے معنی "باہر کھڑے ہونا" کے ہیں تو وہ یہ بیان کر رہے ہوتے تھے کہ وجود رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وجود سے باہر کھڑے ہونا۔ اِس کا کیا مطلب ہے؟ تصوُّر کریں کہ دو دائرے ہیں جو ایک دُوسرے سے نہیں ملتے، پہلا دائرہ "وجود" ہے اور دُوسرا "عدمِ وجود" ہے، جو "کچھ نہ ہونا" کے لئے ایک خاص اِصطلاح ہے۔ اب تصوُّر کریں کہ اِن دونوں دائرُوں کے درمیان ایک سادہ اِنسانی شکل کھڑی ہے جس کے بازو پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک بازو "وجود" کے دائرے کی طرف بڑھا ہوا ہے اور دُوسرا "عدمِ وجود" کے دائرے کی طرف بڑھا ہوا ہے۔ یہ اِنسانیت کی تصویر ہے۔ ہم وجود میں حصہ رکھتے ہیں، مگر اُسی وقت ہم ہمیشہ نیستی سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر پائے جاتے ہیں۔ ہم صرف اُسی صورت میں برقرار رہ سکتے ہیں جب ہم "وجود" کے دائرے کے ساتھ اپنے تعلق کو برقرار رکھتے ہیں، کیوں کہ وہ دائرہ اُس ہستی کی نمائندگی کرتا ہے جس میں، جیسا کہ پولُس رسُول نے کہا "اُسی میں ہم جیتے اور چلتے پھِرتے اور مَوجُود ہیں" (اعمال ۱۷:۲۸) یعنی خدا میں۔ لیکن اگرچہ ہم اُس وجود میں حصہ رکھتے ہیں اور اُسی وجود کے وسیلے سے قائم رکھے جاتے ہیں، پھر بھی ہم عدمِ وجود سے ایک قدم کے فاصلے پر ہوتے ہیں۔

ہمارے تصوُّر میں وہ سادہ اِنسانی شکل اُس بات کی تصویر ہے جو فلسفیوں کے ذہن میں تھی جب وہ وجود سے باہر کھڑے ہونے کی بات کرتے تھے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِنسان "تخلیقی عمل" کی حالت میں پایا جاتا ہے، یعنی ہم تبدیلی کے عمل سے گزرتے رہتے ہیں۔ ہم آج جو ہیں وہ اُس سے مختلف پائے جاتے ہیں جو ہم کل تھے اور مستقبل میں ہم اُس سے بھی مختلف ہو جائیں گے جو ہم آج ہیں۔ خواہ یہ صرف اِس حقیقت میں ہی کیوں نہ ہو کہ ایک دِن سے دُوسرے دِن تک کے گزرنے میں ہم چوبیس گھنٹے بڑے ہو جاتے ہیں۔ یہی پہلو، یعنی تبدیلی، اِنسانی حالت کو متعین کرتا ہے اور اِسی کے وسیلے سے وجود کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ تبدیلی، پیدایش، زوال، نشو و نما اور بڑھاپا، یہ سب ہماری زِندگیوں کی خصوصیات ہیں۔ لیکن خدا اَزلی طور پر غیر متغیر ہے۔ وہ کل، آج بلکہ اَبد تک یکساں ہے۔

مختصراً، جب فلسفی وجود کے بارے میں گفتگو کرتے تھے تو وہ اِس بات کی تعریف کر رہے ہوتے تھے کہ مخلوق ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ پس جب مَیں نے اپنے سیمنری کے طلبہ کے ساتھ وہ چھوٹا سا کھیل کھیلا اور یہ دعویٰ کیا کہ خدا وجود نہیں رکھتا، تو میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ خدا ہے ہی نہیں، بلکہ میرا سادہ مطلب یہ تھا کہ خدا مخلوق نہیں ہے۔ وہ زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے، نہ وہ کسی تبدیلی، پیدایش یا زوال کے تابع ہے، بلکہ وہ تو اَزل سے تھا اور اَبد تک رہے گا، کیوں کہ وہ "مَیں ہوں" ہے۔

جب ہم اُلوہیت کے اقانیم کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہم عموماً لفظ "وجود" اِستعمال نہیں کرتے بلکہ "اَقانیم" کا لفظ اِستعمال کرتے ہیں۔ اِن اَلفاظ کے درمیان کیا فرق ہے؟ ہم عام طور پر اپنے روزمرہ ذخیرۂ اَلفاظ میں لفظ "اَقانیم" اُس وقت اِستعمال کرتے ہیں جب ہم کسی

ایسے شخص کے بارے میں بات کرتے ہیں جو غربت میں زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ ہم ایک ایسی آمدنی کا ذِکر کر رہے ہوتے ہیں جو محض گزارے لائق ہوتی ہے، یا ایسی خوراک کا ذِکر کرتے ہیں جو صرف بنیادی غذائیت فراہم کرتی ہے۔ تاہم غور کریں کہ اِس لفظ میں سابقہ "Sub" شامل ہے جس کے معنی "ماتحت" کے ہیں۔ پس اَقانیم ایسا وجود ہے جو کسی اَور کے ماتحت ہوتا ہے۔ یہ تصوُّر تثلیث کے مفہوم میں مضمر پایا جاتا ہے۔ خدا ایک ہی وجود ہے جس میں تین اقانیم ہیں، یعنی تین الگ اقانیم۔ یہ اقانیم خدا کے وجود میں قائم پائے جاتے ہیں۔

رُوح القدس کی شخصی فطرت

یہ حقیقت کہ رُوح القدس ایک شخص ہے، کتابِ مقدّس میں کئی طریقوں سے ظاہر کی گئی ہے۔ اِن میں سے ایک بنیادی دلیل یہ ہے کہ بائبل مقدّس بار بار اور تسلسل کے ساتھ اُس کے لئے شخصی ضمائر اِستعمال کرتی ہے۔ اُسے "وہ" اور "اُس" کہا جاتا ہے، نہ کہ "وہ چیز"۔ مزید یہ کہ وہ ایسے کام کرتا ہے جنہیں ہم شخصیّت کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ وہ تعلیم دیتا ہے، وہ اِلہام بخشتا ہے، وہ راہ نُمائی کرتا ہے، وہ راہبری کرتا ہے، وہ غمگین ہوتا ہے، وہ ہمیں گناہ کے بارے میں قائل کرتا ہے اور بہت کچھ۔ غیر شخصی اِشیاء اِس طرح برتاؤ نہیں کرتیں۔ یہ کام صرف ایک شخص ہی کر سکتا ہے۔

لیکن رُوح القدس کو بائبل مقدّس میں صرف ایک شخص ہی نہیں بلکہ مکمل طور پر اِلٰہی ذات بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ ہم اِس بات کو اَعمال کی کتاب میں ایک عجیب واقعہ میں دیکھتے ہیں:

"اور ایک شخص حننیاہ نام اور اُس کی بیوی سفیرہ نے جائیداد بیچی۔ اور اُس نے اپنی بیوی کے جانتے ہُوئے قیمت میں سے کُچھ رکھ چھوڑا اور ایک حِصّہ لا کر رسُولوں کے پاؤں میں رکھ

دِیا۔ مگر پطرس نے کہا اَے حننیاہ۔ کیُوں شیطان نے تیرے دِل میں یہ بات ڈال دی کہ تُو رُوحُ القدُس سے جُھوٹ بولے اور زمِین کی قیمت میں سے کُچھ رکھ چھوڑے؟۔ کیا جب تک وہ تیرے پاس تھی تیری نہ تھی؟ اور جب بیچی گئی تو تیرے اِختیّار میں نہ رہی؟ تُو نے کیُوں اپنے دِل میں اِس بات کا خیال باندھا؟ تُو نے آدمیوں سے نہیں بلکہ خُدا سے جُھوٹ بولا" (اَعمال ۵:۱-۴)۔

حننیاہ اور سفیرہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ یہ ظاہر کر رہے تھے کہ اُن کا کلیسیا کے لئے دیا گیا ہدیہ اُس سے زیادہ ہے جتنا کہ حقیقت میں تھا۔ وہ اُس ہدیے کی ماہیت کے بارے میں جھوٹ بول رہے تھے جو وہ خدا کے لئے پیش کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ پطرس اُن کی دی ہوئی رقم کی مقدار سے کہیں زیادہ اُن کی رُوحوں کی حالت کے بارے میں فکر مند تھا۔ تاہم، پطرس کی سرزنش کے اَلفاظ پر غور کریں جو اُس نے حننیاہ اور سفیرہ سے کہے۔ اُس نے یہ پوچھ کر آغاز کیا: "اَے حننیاہ۔ کیُوں شیطان نے تیرے دِل میں یہ بات ڈال دی کہ تُو رُوحُ القدُس سے جُھوٹ بولے" لیکن اُس نے یہ کہتے ہوئے اِختتام کیا: "تُو نے آدمیوں سے نہیں بلکہ خُدا سے جُھوٹ بولا" ۔ پس جو جھوٹ حننیاہ نے رُوح القدس سے بولا وہ درحقیقت خدا ہی سے بولا گیا تھا۔ اِس سے واضح طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ رُوح القدس خدا ہے۔

خدا کی صفات اور اَعمال

مزید یہ کہ نیا عہد نامہ رُوح القدس کو اکثر ایسی صفات کے حامل کے طور پر بیان کرتا ہے جو واضح طور پر اِلٰہی صفات ہیں۔ مثال کے طور پر، رُوح القدس اَزلی ہے (عبرانیوں ۹:۱۴) اور ہمہ دان ہے (۱۔ کرنتھیوں ۲:۱۰-۱۱)۔ یہ دونوں خدا کی صفات ہیں۔

مزید برآں، یہ غیر مشترک صفات ہیں، یعنی خدا کی وہ صفات جن کا اِشتراک اِنسان کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔

کتابِ مقدّس میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رُوح القدس تخلیق اور نجات کے اُن اَعمال میں شریک پایا جاتا ہے جو تثلیث سے متعلق ہیں۔ پیدایش کی کتاب کا پہلا باب واضح کرتا ہے کہ باپ نے دُنیا کو وجود میں آنے کا حکم دیا۔ نیا عہد نامہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ وسیلہ جس کے ذریعے باپ نے کائنات کو وجود بخشا، وہ لوگوس ہے، جو تثلیث کا دُوسرا اقنوم ہے، یعنی ہمارا خداوند یسوع مسیح: ''سب چیزیں اُس کے وسیلہ سے پیدا ہُوئیں اور جو کُچھ پیدا ہُوا ہے اُس میں سے کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہیں ہُوئی'' (یوحنا ۱:۳)۔ تاہم، رُوح القدس بھی تخلیق کے کام میں شریک تھا: ''اور زمین ویران اور سُنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خُدا کی رُوح پانی کی سطح پر جُنبش کرتی تھی'' (پیدایش ۱:۲)۔ رُوح کے اِس قوت بخش عمل کے وسیلے سے زندگی کا آغاز ہوا۔ سب سے بڑھ کر نجات خدائے ثالوث کا کام ہے، یعنی باپ نے بیٹے کو دُنیا میں بھیجا (۱۔یوحنا ۴:۱۴) اور بیٹے نے وہ تمام کام اَنجام دیا جو ہماری نجات کے لئے ضروری تھا، اُس نے کامل فرماں برداری میں زِندگی گزاری اور اِلٰہی عدالت کے تقاضوں کو کامل طور پر پورا کرنے کے لئے اپنی جان دی (فلپیوں ۳:۹؛ ۱۔کرنتھیوں ۱۵:۳)۔ لیکن یہ سب کچھ اُس وقت تک ہمارے فائدے کے لئے مؤثر نہیں ہوتا جب تک یہ ہم پر شخصی طور پر لاگو نہ کیا جائے۔ اِس لئے باپ اور بیٹے نے رُوح القدس کو اِس لئے دُنیا میں بھیجا تاکہ وہ نجات کے کام کو ہم پر لاگو کر سکے (یوحنا ۱۵:۲۶؛ گلتیوں ۴:۶)۔ نئے عہد نامے میں رُوح القدس کا بنیادی اور مرکزی کردار یہ ہے کہ وہ مسیح کے کام کو اِیمان داروں پر لاگو کرے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ رُوح القدس کون ہے؟ کیا آپ رُوح القدس کو ایک شخصی تعلق کے حوالے سے سمجھتے ہیں؟ یا کیا رُوح القدس آپ کے لئے ایک مبہم، دُھندلا، نظریاتی تصوُّر یا ایک غیر واضح اور بے صورت قوت ہی ہے؟ قوتیں اپنی ذات میں شخصیت سے عاری ہوتی ہیں، مگر رُوح القدس محض ایک نظریاتی قوت نہیں ہے، بلکہ وہ ایک شخص ہے جو خدا کے لوگوں کو مسیحی زندگی کے لئے قوت بخشتا ہے۔ اگلے چند مختصر اَبواب میں ہم اُن بعض طریقوں پر غور کریں گے جن کے ذریعے وہ اِس خدمت کو اَنجام دیتا ہے۔

دُوسرا باب

زِندگی دینے والا

۱۹۷۶ء میں جمی کارٹر (Jimmy Carter) کی رِیاستہائے متحدہ کی صدارتی مہم کے دوران اُس نے اِس بات کا ذِکر کیا کہ وہ "نئے سرے سے پیدا ہو چکا ہے"۔ تقریباً اُسی زمانے میں چارلس کولسن (Charles Colson)، جو صدر نکسن (Nixon) کا مشیر رہ چکا تھا، اُس نے ایک کتاب شائع کی جس میں اُس نے مسیح کی طرف اپنے تبدّل کو بیان کیا۔ اُس کتاب کا عنوان سادہ طور پر "نئے سرے سے پیدا ہونا" رکھا گیا تھا۔ یوں اچانک ایک ایسی اِصطلاح جو پہلے صرف بشارتی مسیحیوں کے درمیان عام تھی، قومی سطح پر غیر معمولی نمایاں حیثیت اِختیار کر گئی۔

اُس کے بعد سے "نئے سرے سے پیدا ہونا" کی اِصطلاح کو طرح طرح کے ایسے طریقِ اِستعمال کے لئے اِختیار کیا جانے لگا ہے جن کا اُس رُوحانی تبدّل سے کوئی تعلق نہیں تھا اور جو کارٹر اور کولسن کے پیشِ نظر تھا۔ مثال کے طور پر، ایک کھلاڑی جو اپنے کیریئر میں دوبارہ عروج حاصل کرتا ہے، وہ اپنی مہارتوں کے حوالے سے خود کو "نئے سرے سے پیدا ہوا" بیان کر سکتا ہے۔ یوں ایک طرح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اِس اہم اِصطلاح کا حقیقی مفہوم اُس کے کثرت سے اِستعمال اور غلط اِستعمال کے باعث دُھندلا سا ہو گیا ہے۔

"نئے سرے سے پیدا ہونا" یعنی ایک رُوحانی نئی پیدایش کا تصوُّر براہِ راست یسوع مسیح کی تعلیم سے ماخوذ ہے۔ ہم اِس تعلیم کو یوحنا کی اِنجیل کے تیسرے باب میں دیکھتے ہیں، جہاں یوحنا

یسوع مسیح اور ایک یہودی سردار جس کا نام نیکدیمس تھا، کے درمیان ہونے والی ایک ملاقات کو بیان کرتا ہے۔

یوحنا لکھتا ہے: "فریسیوں میں سے ایک شخص نیکدُیمُس نام یہُودیوں کا ایک سردار تھا۔ اُس نے رات کو یسوع کے پاس آکر اُس سے کہا اَے ربّی ہم جانتے ہیں کہ تُو خُدا کی طرف سے اُستاد ہو کر آیا ہے کیوں کہ جو معجزے تُو دِکھاتا ہے کوئی شَخص نہیں دِکھا سکتا جب تک خُدا اُس کے ساتھ نہ ہو" (آیت ۱-۲)۔ نیکدُیمُس رات کے وقت یسوع مسیح کے پاس آیا، غالباً اِس لئے کہ وہ اُس کے ساتھ نظر آنے سے بچنا چاہتا تھا، مگر وہ خوشامد کے ساتھ آیا اور یسوع مسیح کو "تُو خُدا کی طرف سے اُستاد ہو کر آیا" کہہ کر اُس کی تعریف کرنے لگا۔ تاہم، یسوع مسیح نے اُس کی بات کو مختصر کرتے ہوئے اُس سے کہا: "مَیں تجھ سے سچ کہتا ہُوں کہ جب تک کوئی نئے سِرے سے پیدا نہ ہو وہ خُدا کی بادشاہی کو دیکھ نہیں سکتا" (آیت ۳)۔ یسوع مسیح نے فرمایا کہ نئی پیدایش خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے ایک لازمی شرط ہے۔ یہ ایک ایسی ناگزیر شرط ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ "اگر تُو نئے سرے سے پیدا نہیں ہوا تو تُو خدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا"۔

نیکدِیمس اُس کی بات کو نہ سمجھ سکا بلکہ اُس نے یسوع مسیح کے کلام کی ایک عامیانہ اور جسمانی تشریح کی۔ اُس نے یسوع سے سوال کیا: "آدمی جب بُوڑھا ہو گیا تو کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟ کیا وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ میں داخل ہو کر پیدا ہو سکتا ہے؟" (آیت ۴)۔ یسوع مسیح نے اُسے دوبارہ جواب دیا اور فرمایا: "مَیں تجھ سے سچ کہتا ہُوں جب تک کوئی آدمی پانی اور رُوح سے پیدا نہ ہو وہ خُدا کی بادشاہی میں داخِل نہیں ہو سکتا" (آیت ۵)۔ پس "نئے سرے سے پیدا ہونا" یا نئی پیدایش کا تصوُّر نہ تو جمی کارٹر (Jimmy Carter) نے اِیجاد کیا، نہ چارلس کولسن (Charles

Colson) نے، اور نہ ہی عام طور پر بشارتی مسیحیوں نے، بلکہ یہ خود مسیح کی تعلیم میں پایا جاتا ہے۔ یہ تعلیم نہایت اہم ہے، کیوں کہ اِس میں یسوع مسیح نے خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے ایک لازمی شرط کا ذِکر کیا ہے۔

یہ بات مجھے کسی حد تک پریشان کرتی ہے جب مَیں کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سُنتا ہوں "مَیں ایک نئے سِرے سے پیدا ہوا مسیحی ہوں"۔ اِس طرح کے بیان میں کیا مسئلہ ہے؟ سوال یہ ہے کہ اَور کس قسم کا مسیحی ہو سکتا ہے؟ اگر نئی پیدایش خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے بالکل لازمی ہے، جیسا کہ یسوع مسیح نے فرمایا ہے، تو پھر ایسا کوئی مسیحی ہو ہی نہیں سکتا جو نئے سرے سے پیدا نہ ہوا ہو۔ "نئے سِرے سے پیدا ہونے والا مسیحی" کہنا ایسا ہی ہے جیسے "مسیحی مسیحی" کہنا۔ یعنی ایک طرح سے علمِ اِلٰہی کی ہکلاہٹ۔

دُوسری طرف، کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی "نئے سِرے سے پیدا ہوا غیر مسیحی" ہو؟ مَیں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے: "مَیں ایک نئے سِرے سے پیدا ہوا مسلمان ہوں" یا "مَیں ایک نئے سرے سے پیدا ہوا بُدھ مت کا پیروکار ہوں"۔ مَیں اُنہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ نئے عہد نامے کے مفہوم میں نئے سِرے سے پیدا ہوئے ہیں تو وہ اب نہ مسلمان رہتے ہیں اور نہ بدھ مت کے پیروکار۔ جو لوگ نئے سِرے سے پیدا ہوتے ہیں وہ صرف مسیحی ہوتے ہیں۔

رُوحانی موت سے زِندگی کی طرف

یہ نہایت اہم بات ہے کہ ہم رُوحانی نئی پیدایش میں رُوح القدس کے کام کو دُرُست طور پر سمجھیں۔ اِس سمجھ کو حاصل کرنے کے لئے بہترین مقامات میں سے ایک پولُس رسُول کے اِفسیوں کے نام خط کے دُوسرے باب میں پایا جاتا ہے، جہاں ہم پڑھتے ہیں:

"اور اُس نے تمہیں بھی زِندہ کِیا جب اپنے قُصُوروں اور گُناہوں کے سبب سے مُردہ تھے جِن میں تُم پیشتر دُنیا کی روِش پر چلتے تھے اور ہوا کی عمل داری کے حاکم یعنی اُس رُوح کی پیرَوی کرتے تھے جو اَب نافرمانی کے فرزندوں میں تاثیر کرتی ہے۔ اِن میں ہم بھی سب کے سب پہلے اپنے جِسم کی خواہشوں میں زِندگی گُذارتے اور جِسم اور عقل کے اِرادے پُورے کرتے تھے اور دُوسروں کی مانِند طبعی طور پر غضب کے فرزند تھے۔ مگر خُدا نے اپنے رحم کی دَولت سے اُس بڑی محبت کے سبب سے جو اُس نے ہم سے کی۔ جب قُصُوروں کے سبب سے مُردہ ہی تھے تو ہم کو مسیح کے ساتھ زِندہ کِیا۔ (تُم کو فضل ہی سے نِجات مِلی ہے) اور مسیح یسوع میں شامِل کر کے اُس کے ساتھ جِلایا اور آسمانی مقاموں پر اُس کے ساتھ بِٹھایا" (آیت ۱-۶)۔

اِس متن میں پولُس رسُول جو زبان اور تمثیل اِستعمال کرتا ہے اُس کا تعلق زِندگی اور موت سے ہے۔ وہ اِعلان کرتا ہے کہ مسیحیوں کو "زندہ کیا گیا ہے"۔ لیکن اگر وہ اب زندہ ہیں تو پہلے کیا تھے؟ وہ "خطاؤں اور گناہوں میں مُردہ تھے"۔ پس پولُس رسُول کسی نہ کسی قِسم کے جی اُٹھنے کا ذِکر کر رہا ہے، یعنی ایسے لوگوں کی تبدیلی جو مُردہ تھے اور اب وہ نئ زندگی میں داخل کئے گئے ہیں۔

ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہاں کس قِسم کی موت کا ذِکر ہو رہا ہے۔ پولُس رسُول جسمانی قیامت کے بارے میں بات نہیں کر رہا، کیوں کہ وہ یہاں جسمانی موت کا ذِکر نہیں کر رہا۔ جن لوگوں کو رُوح القدس کے وسیلے سے زندہ کیا گیا ہے وہ اُس تجربے سے پہلے بھی زندہ اور سانس لینے والے حیاتیاتی اِنسان تھے۔ میرے مسیحی بننے سے پہلے میرا دِل دھڑک رہا تھا، میرے پھیپھڑے بھر رہے اور خالی ہو رہے تھے اور میرا دِماغ بھی کام کر رہا تھا (اگرچہ کبھی کبھار

میرے اُستاد اِس بارے میں متعجب ہوتے تھے)، لیکن مَیں رُوحانی طور پر مُردہ تھا۔ مَیں خدا کی باتوں کے لحاظ سے مُردہ تھا، کیوں کہ مَیں مکمل طور پر اور پوری طرح سے اُس حالت میں موجود تھا جسے یسوع مسیح اور رسُول "جسمانی حالت" کہتے ہیں۔

نیکُدِیمس کے ساتھ اپنی گفتگو میں، جب یسوع مسیح نے یہ واضح کیا کہ جب تک کوئی پانی اور رُوح سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا، تو اُس نے مزید فرمایا: "جو جِسم سے پیدا ہُوا ہے جِسم ہے اور جو رُوح سے پیدا ہُوا ہے رُوح ہے۔ تعجب نہ کر کہ مَیں نے تجھ سے کہا تمہیں نئے سِرے سے پیدا ہونا ضرُور ہے۔ ہوا جِدھر چاہتی ہے چلتی ہے اور تُو اُس کی آواز سُنتا ہے مگر نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتی اور کہاں کو جاتی ہے۔ جو کوئی رُوح سے پیدا ہُوا اَیسا ہی ہے" (یوحنا۳:۶-۸)۔

یہاں یسوع مسیح نے رُوح القدس کی قدرت اور اِنسانی جسم کی قوت کے درمیان اِمتیاز قائم کیا۔ اُس نے فرمایا: "جو جِسم سے پیدا ہُوا ہے جِسم ہے"۔ وہ اِنسانوں کے بارے میں بات کر رہا تھا، اور وہ محض یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ اِنسان جسمانی بدن کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، بلکہ یہ کہ وہ برگشتہ حالت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے پاس رُوحانی زندگی نہیں ہوتی، بلکہ وہ رُوحانی طور پر مُردہ پیدا ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کہ پوری کتابِ مقدّس میں کوئی بات دَورِ جدید کے اِنسان کے لئے اِس دعوے سے زیادہ ناگوار نہ ہو کہ ہر اِنسان رُوحانی موت کی حالت میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ تصوُّر مسیحیت کے وسیع حلقوں میں بھی ناگوار سمجھا جاتا ہے۔ زیادہ تر اِقرار کرنے والے مسیحی اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نسلِ اِنسانی میں کوئی نہ کوئی نقص پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ ہم سب گنہگار ہیں

اور ہم میں سے کوئی بھی کامل نہیں ہے۔ لیکن سو میں سے ایک مسیحی بھی حقیقتاً اِس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ ہر اِنسان دُنیا میں آتے ہی رُوحانی طور پر مُردہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بلی گراہم بھی فطری اِنسان کے بارے میں یہ کہا کرتا تھا کہ وہ جان لیوا حد تک بیمار ہے، یہاں تک کہ وہ ننانوے فیصد مُردہ ہے، مگر وہ اِسے سو فیصد مُردہ قرار نہیں دیتا تھا۔ اِس تصوّر کی تردِید اِس قدر عام ہے کہ مسیحیت کے بعض نمایاں ترجمان بھی اِسے قبول نہیں کرتے، بلکہ اِس کے برخلاف بات کرتے ہیں، کیوں کہ وہ مکمل رُوحانی موت کے تصوّر کو نہیں مانتے۔

تاہم، یہی وہ بات ہے جو پولُس رسُول واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ ہم دُنیا میں آتے ہی رُوحانی اِعتبار سے مُردہ ہوتے ہیں، کمزور، علیل، نہایت نازُک حالت میں، یا نیم مردہ حالت میں نہیں۔ ہم میں کوئی رُوحانی دھڑکن نہیں ہوتی، نہ کوئی رُوحانی سانس اور نہ ہی کوئی رُوحانی دِماغی سرگرمی پائی جاتی ہے۔ ہم رُوحانی طور پر مُردہ ہی پیدا ہوتے ہیں اور اُسی حالت میں قائم رہتے ہیں، جب تک کہ خدا رُوح القدس ہمیں زِندہ نہ کرے۔

ایک راہ پر چلنا اور ایک حاکم کی پیروی کرنا

پولُس رسُول اِفسس کی کلیسیا سے کہتا ہے: "اور اُس نے تمہیں بھی زِندہ کیا جب اپنے قصُوروں اور گُناہوں کے سبب سے مُردہ تھے۔ جِن میں تُم پیشتر دُنیا کی روِش پر چلتے تھے اور ہوا کی عمل داری کے حاکم یعنی اُس رُوح کی پیروی کرتے تھے جو اَب نافرمانی کے فرزندوں میں تاثِیر کرتی ہے" (اِفسیوں ۲:۱-۲)۔ وہ مسیحیوں سے کلام کر رہا ہے، مگر ہر مسیحی اپنی زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے میں غیر مسیحی ہوتا ہے اور ہر غیر مسیحی اپنے طرزِ عمل کا ایک خاص نمونہ ظاہر کرتا ہے۔

پولُس رسُول کہتا ہے کہ جو لوگ رُوحانی طور پر مُردہ ہوتے ہیں وہ ایک راہ پر چلتے ہیں اور ایک حاکم کی پیروی کرتے ہیں۔

رومیوں تیسرے باب میں پولُس رسُول لکھتا ہے: "کوئی راست باز نہیں۔ ایک بھی نہیں۔ کوئی سمجھ دار نہیں کوئی خُدا کا طالِب نہیں۔ سب گمراہ ہیں سب کے سب نکمّے بن گئے۔ کوئی بھلائی کرنے والا نہیں۔ ایک بھی نہیں۔ اُن کا گلا کھُلی ہُوئی قبر ہے۔ اُنہوں نے اپنی زبان سے فریب دِیا۔ اُن کے ہونٹوں میں سانپوں کا زہر ہے" (آیت ۱۰-۱۲)۔ وہ کہتا ہے کہ "سب گمراہ ہیں" یعنی وہ راستے سے بھٹک گئے ہیں، اگر فطرتاً ہم خدا کی تلاش نہ کرتے تو کیا یہ تعجب کی بات نہ ہوتی کہ ہم خدا کی راہ سے بھٹک جاتے؟ یہ بات میرے لئے نہایت قابلِ غور ہے کہ نئے عہد نامے میں مسیح کے پیروکار اپنے آپ کو "مسیحی" نہیں کہتے تھے۔ اُنہیں پہلی بار اِنطاکیہ میں "مسیحی" کہا گیا (اَعمال ۱۱:۲۶)، مگر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اِصطلاح غیر مسیحیوں نے اُن کی تضحیک کرنے کے لئے وضع کی تھی۔ وہ لفظ یا اِصطلاح جسے مسیحی اِبتدا میں اپنے لئے اِستعمال کرتے تھے "راہ کے لوگ" تھی (اَعمال ۱۹:۹، ۲۳)، کیوں کہ اُنہوں نے مسیح کو دو راستوں کے بارے میں کلام کرتے سنا تھا، ایک تنگ راستہ اور ایک کشادہ راستہ (متی ۷:۱۳-۱۴)۔ لوگوں کی بہت بڑی اکثریت غلط راستے پر چل رہی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم سب اِسی راستے پر چلنا شروع کرتے ہیں، کیوں کہ کشادہ راہ دُنیا کی راہ ہے۔ پولُس رسُول کہتا ہے کہ "ہم بھی سب کے سب پہلے اپنے جِسم کی خواہشوں میں زِندگی گُذارتے تھے" (اِفسیوں ۲:۳)۔ رُوحانی طور پر مُردہ ہونا دُنیاوی ہونا ہے، یعنی دُنیاوی ثقافتی اَقدار اور رسومات کو قبول کرنا اور اُن کی غلامانہ پیروی کرنا۔

رُوحانی طور پر مُردہ لوگ نہ صرف اِس دُنیا کی راہ پر چلتے ہیں بلکہ "ہوا کی عمل داری کے حاکم" کی بھی پیروی کرتے ہیں (آیت ۲)۔ کیا اِس میں کوئی سوال ہے کہ یہاں پولُس رسُول کس کی طرف اِشارہ کر رہا ہے؟ یہ شیطان کے لئے اُس کا لقب ہے "اُس رُوح کی پیَروی کرتے تھے جو اَب نافرمانی کے فرزندوں میں تاثیر کرتی ہے" (اِفسیوں ۲:۲)۔ وہ سب لوگ جو رُوحانی طور پر مُردہ ہیں وہ خدا اور اُس کے راست تقاضوں کو ردّ کرتے ہوئے شیطان کی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

پس یہ ہماری فطری حالت ہے۔ یہ اُس چیز کی تصویر ہے جسے علمِ اِلٰہی "حقیقی گناہ" یعنی وہ مہلک بگاڑ کی حالت اور رُوحانی موت جس میں ہم سب پیدا ہوتے ہیں۔

تخلیق نو کا عمل

یہ رُوح القدس کی خدمت اور کام ہے کہ وہ اُن لوگوں کے پاس آئے جو رُوحانی طور پر مُردہ ہیں، جو اِس دُنیا کی راہ کے مطابق اور ہوا کی عمل داری کے حاکم کے مطابق چل رہے ہیں اور اپنے جسم اور اپنے ذہن کی خواہشات کو پورا کر رہے ہیں، اُنہیں اَز سرِ نو تخلیق کرے جب وہ اُنہیں نئے سِرے سے پیدا کرتا ہے۔ "نئے سرے سے پیدا کرنے" کا مطلب ہے "دوبارہ پیدا کرنا"۔ نئی پیدایش کے وسیلے سے رُوح اُن لوگوں کو زِندگی عطا کرتا ہے جن کے پاس کوئی رُوحانی زندگی نہیں ہوتی۔

نئی پیدایش ایک ایسا کام ہے جو رُوح القدس لوگوں کی رُوحوں میں براہِ راست اَنجام دیتا ہے۔ جب مَیں "براہِ راست" کہتا ہوں تو میرا مطلب "فوراً" نہیں بلکہ "کسی درمیانی وسیلے کے بغیر" ہوتا ہے۔ وہ کسی شخص کو دوا کی کوئی خوراک نہیں دیتا بلکہ رُوح براہِ راست رُوحانی موت میں

سے رُوحانی زِندگی پیدا کرتا ہے۔ ہم اِس براہِ راست عمل کو اُن اَلفاظ میں دیکھتے ہیں جو جبرائیل فرشتہ نے مریم سے کہے: "رُوحُ القدس تجھ پر نازِل ہوگا اور خُدا تعالیٰ کی قُدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اِس سبب سے وہ مَولُودِ مُقدّس خُدا کا بیٹا کہلائے گا" (لوقا ۱:۳۵)۔ اُس موقع پر یسوع مسیح کی زِندگی معمول کے تولیدی عمل کے ذریعے نہیں بلکہ براہِ راست اور فوری طور پر پیدا کی گئی۔

اِس معنی میں ہم نجات میں اُس قدرت کے دوبارہ ظہور کو دیکھتے ہیں جس کا اِظہار رُوح القدس نے تخلیق میں کیا تھا۔ وہی خدا جس نے دُنیا کو پیدا کیا وہی دُنیا کو نجات بھی دیتا ہے۔ جس طرح تخلیق کا کام خدائے ثالوث کا کام تھا اُسی طرح نجات کا کام بھی خدائے ثالوث کا کام ہے۔ ہم اِسے پیدایش کے پہلے باب میں واضح طور پر دیکھتے ہیں، جہاں ہم پڑھتے ہیں: "خُدا نے اِبتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور زمین ویران اور سُنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خُدا کی رُوح پانی کی سطح پر جُنبش کرتی تھی" (پیدایش ۱:۱-۲)۔ یہ کتابِ مقدّس کے اِبتدائی جملے ہیں۔ اِن آیات کے فوراً بعد ہم خدا کی سرگرمی کا ایک مختصر بیان پڑھتے ہیں جو اُس اندھیرے، خالی پن اور بے ترتیبی کے درمیان ظاہر ہوتی ہے: "خدا کی رُوح پانی کی سطح پر جُنبش کرتی تھی" (آیت ۲)۔ نئے عہد نامے میں رُوح القدس کی تصویر ایک کبوتر کے طور پر پیش کی گئی ہے، یہاں غالباً اُسے ایک ماں پرندے کی مانند ظاہر کیا گیا ہے جو اپنے بچوں پر منڈلاتی اور اُن کی حفاظت کرتی ہے۔ یسوع مسیح نے اِسی تصوُّر کو کچھ یوں ظاہر کیا جب اُس نے یروشلیم شہر پر اَفسوس کرتے ہوئے فرمایا: "اَے یروشلیم! اَے یروشلیم! تُو جو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے اُن کو سنگسار کرتی ہے کتنی ہی بار مَیں نے چاہا کہ جِس طرح مرغی اپنے بچّوں کو پرّوں تلے جمع کرتی ہے اُسی طرح مَیں بھی تیرے بچّوں کو جمع کر لُوں مگر تُم نے نہ چاہا!" (لوقا ۱۳:۳۴)۔ رُوح تخلیق پر

جنبش کرتی رہی تاکہ اُسے راہ نمائی دے اور اُس کی حفاظت کرے اور وہ نئ پیدایش کے کام میں بھی یہی کرتا ہے۔

کتابِ مقدّس واضح کرتی ہے کہ اُن کاموں میں سے ایک جو صرف خدا ہی کر سکتا ہے یہ ہے کہ وہ موت میں سے زِندگی اور عدم میں سے وجود پیدا کرتا ہے۔ تخلیق میں اگلا عمل خدا کی طرف سے روشنی کو پیدا کرنا تھا: "اور خُدا نے کہا کہ روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئ" (پیدایش ۱:۳)۔ خدا کو روشنی پیدا کرنے کے لئے نہ کوئی بٹن دبانے کی ضرورت تھی اور نہ دو لکڑیوں کو رگڑ کر چنگاری پیدا کرنے کی، بلکہ اُس کے حاکمانہ حکم نے روشنی کو وجود بخشا۔ اِسی طرح اُس کی اِلٰہی قدرت وہاں زِندگی پیدا کرتی ہے جہاں زِندگی کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔

یسوع مسیح لعزر کی قبر کے پاس کھڑا ہوا، جو چار دن سے مُردہ تھا، اور اُس نے بلند آواز سے پکار کر کہا: "اَے لعزر نِکل آ" (یوحنا ۱۱:۴۳)۔ جب یسوع مسیح نے یہ اَلفاظ کہے تو فوراً لعزر کا دِل دھڑکنے لگا اور خون گردِش کرنے لگا، دِماغی سرگرمی بحال ہو گئ، زِندگی بدن میں لوٹ آئ اور وہ قبر سے باہر آ گیا۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو ہماری نئ پیدایش میں واقع ہوتی ہے، کیوں کہ وہی رُوح جس نے گہراؤ میں سے زندگی کو پیدا کیا اور جو لعزر کو قبر میں سے باہر لے آیا، رُوحانی موت میں سے زِندہ کر کے ہمیں دوبارہ پیدا کرتا ہے۔

تیسرا باب

شفاعت کرنے والا / مددگار

اُنیسویں صدی میں یورپ کے دو فلسفیوں نے اپنی ثقافت اور بعد کی تارِیخ کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ اُن دونوں کو مغربی تہذیب کے بگاڑ کے بارے میں گہری تشویش تھی۔ دونوں نے اُنیسویں صدی کے یورپ کو زوال پذیر قرار دیا، مگر اُن دونوں نے اِس زوال کی وجوہات بالکل مختلف دیکھیں اور اُس کے لئے بالکل مختلف حل پیش کئے۔

اُن میں سے ایک سورن کیرکیگارڈ(Søren Kierkegaard)۵۵-۱۸۱۳ء ایک ڈینش فلسفی تھا۔ اُس نے شکایت کی کہ اُس کے عہد میں تہذیب کے زوال کی وجہ یہ تھی کہ مسیحیت کو روزمرہ زندگی میں زِندہ اور مؤثر انداز سے نافذ نہیں کیا جارہا تھا۔ وہ اِس بات پر یقین رکھتا تھا کہ مسیحیت بڑی حد تک ایک مُردہ جامد عقیدہ بن کر رہ گئ تھی، جو رُوحانی جذبے سے خالی اور روزمرہ کے معاملات سے جُدا ہو چکی تھی۔ جیسا کہ اُس نے بیان کیا، اُس کا زمانہ "پست" قرار دیا گیا تھا، اِس لئے اُس نے مسیحی زندگی میں حقیقی جذبے کی بحالی کے لئے پُرزور آواز بلند کی اور جب وہ اِس معاملے کے بارے میں دِل کی شکستگی اور مایوسی میں مبتلا ہو جاتا تو وہ پرانا عہد نامے کے صفحات کی جانب رُخ کرنا پسند کرتا تھا، کیوں کہ وہاں وہ اُن لوگوں کو دیکھتا جو حقیقت کے زیادہ قریب دِکھائی دیتے تھے۔ وہ مقدّسین بھی تھے اور گنہگار بھی، اور اُن میں نہ کوئی دِکھاوا پایا جاتا تھا، نہ کوئی کھوٹ یا بناوٹ اور نہ ہی کسی قسم کا مصنوعی پن موجود تھا، خدا واقعی اُن کی زندگیوں میں کام کرتا تھا اور وہ بھی اُس کے لئے سچے اور زندہ رُوحانی جذبے کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک اَور پروفیسر نے ایک بار مجھ سے پوچھا کہ "آج آپ کلیسیا کی قوت کا اندازہ کس طرح لگاتے ہیں؟ "تو مَیں نے جواب دیا کہ میرے لئے یہ بات بتدریج واضح ہوتی جارہی ہے کہ کلیسیا میں بہت سے لوگ زِندہ اور متحرک اِیمان رکھتے ہیں، کتابِ مقدّس کی بنیادی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں اور اِسی طرح کی دِیگر باتوں کو بھی مانتے ہیں، لیکن اُن میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو مسیحی اِیمان کو ایک مشن کے طور پر، یعنی اپنی زندگیوں میں ایک گہری اور سنجیدہ دِلچسپی کے طور پر دیکھتے ہوں۔ یہی وہ بات تھی جسے سورن کیرکیگارڈ دیکھنے کے لئے بے قرار تھا۔

دُوسرا فلسفی جس نے تہذیب کی موت پر شدید اَفسوس اور احتجاج کیا وہ فریڈرک نطشے (Friedrich Nietzsche) ۱۸۴۴-۱۹۰۰ء تھا، جو ایک جرمن تھا۔ تاہم، نطشے یہ یقین رکھتا تھا کہ مغربی تہذیب کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ مسیحیت کا مہلک اَثر ورسوخ تھا۔ وہ اِس بات کا قائل تھا کہ مسیحیت کی اَخلاقی تعلیم، جس میں حلم اور شفقت جیسی خوبیاں شامل ہیں، اِنہوں نے اِنسانی نسل کو قوت سے محروم کر دیا تھا۔ اُس کے نزدیک مسیحیت نے اِنسان کے سب سے بنیادی جذبے، یعنی قوت کی خواہش کا اِنکار کیا تھا اور اُسے دبا دیا تھا۔ نطشے کے مطابق زندگی قوت کی کشمکش کا نام ہے اور ہم سب ایک باہمی مقابلے کی جدوجہد میں شریک ہوتے ہیں، جس میں ہم دُوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔

پس نطشے نے ایک نئی تہذیب کے لئے آواز بلند کی جو ایک جدید قِسم کے اِنسان کے وسیلے سے وجود میں لائی جائے، ایک جدید قسم کے وجودی ہیرو کے وسیلے سے، جسے اُس نے اُوبر مینش (übermensch) کہا، یعنی "فوق البشر" (Superman)۔ اُس نے فوق البشر کو اُس شخص کے طور پر بیان کیا جو کوہِ ویسوویس (Mount Vesuvius) کی ڈھلوانوں پر اپنا گھر

تعمیر کرے گا، چناں چہ وہ اپنا گھر ایسی جگہ تعمیر کرے گا جہاں آتش فشاں کے پھٹنے کی صورت میں کسی بھی لمحے اُس کا گھر تباہ کیا جا سکتا ہے، اور اِسی طرح وہ اپنی کشتی اُن سمندروں میں لے جاتا ہے جو ابھی تک دریافت نہیں کیئے گئے، جہاں اُس کا سامنا سُمندری دیو ہیکل مخلوقات یا شدید طوفانوں سے ہو سکتا ہے جو اُس کی کشتی کو اُلٹ دیں اور اُسے ہلاک کر دیں، لیکن یہ سب کچھ بھی فوق البشر کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں بنتا۔

نطشے کے خیال کے مطابق فوق البشر بنیادی طور پر ایک فاتح ہوتا ہے اور اُس کی سب سے بڑی خوبی دلیری ہوتی ہے، کیوں کہ نطشے کا خیال یہ تھا کہ اُنیسویں صدی کی ثقافت میں سب سے زیادہ جس چیز کی کمی پائی جاتی تھی وہ دلیری تھی۔ لیکن جب نطشے نے دلیری کے بارے میں گفتگو کی تو اُس نے اِسے ایک عجیب انداز میں پیش کیا۔ چناں چہ اُس نے "جدلیاتی دلیری" کے بارے میں بات کی۔ فلسفے میں "جدلیاتی" کا لفظ ایک ایسی حالت کی طرف اِشارہ کرتا ہے جس میں تضاد پایا جاتا ہے، جہاں ایک چیز دُوسری چیز کے بالمقابل کھڑی ہوتی ہے اور یہ چیزیں کبھی بھی حل نہیں ہوتیں۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "جدلیاتی دلیری" کیا ہے؟ نطشے اِس نتیجے پر پہنچا کہ زِندگی بالآخر لاحاصل اور بے معنی ہے۔ وہ اِس بات کا قائل تھا کہ خدا مر چکا ہے، اور چونکہ کوئی خدا موجود نہیں ہے، اِس لئے مطلق بھلائی یا سچائی جیسی کوئی چیز بھی موجود نہیں ہے۔ اِنسانی وجود کے لئے کوئی خارجی حقیقت پر مبنی اہمیت موجود نہیں ہے، بلکہ زِندگی کا مفہوم وہی ہے جو ہم خود اُس کے لئے متعین کرتے ہیں۔ لہٰذا، ہمیں ایک ایسی دُنیا میں دلیری کا اِظہار کرنا ہے جو اِتنی مخالف نہیں جتنی بے پرواہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جسے فوق البشر عملی صورت دے گا۔

دُوسرا مددگار

کیئرکیگارڈ اور نطشے کا رُوح القدس کے کام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ مصلوب کئے جانے سے ایک رات پہلے بالا خانہ میں، یسوع مسیح نے رُوح کے بارے میں چند اہم وعدے کئے۔ اُس نے اُن سے کہا کہ وہ اِس دُنیا سے رُخصت ہونے والا ہے اور وہ اُس کے ساتھ نہیں جاسکتے، لیکن اُس نے وعدہ کیا کہ "مَیں باپ سے دَرخواست کروں گا تو وہ تمہیں دُوسرا مددگار بخشے گا کہ اَبد تک تمہارے ساتھ رہے "(یوحنا۱۴:۱۶)۔ کچھ تراجم میں "مددگار" کے بجائے "تسلی دینے والا" کا لفظ اِستعمال کیا جاتا ہے۔ وہ یونانی لفظ جس کا ترجمہ "مددگار" یا "تسلی دینے والا" کیا جاتا ہے، پاراکلیتوس παράκλητος ہے اور یہی انگریزی لفظ "Paraclete" "پیراکلیٹ" کا ماخذ ہے۔ اِس لفظ میں ایک سابقہ "Para" شامل ہے جس کے معنی "ساتھ" یا "پہلو" کے ہیں اور ایک جڑ شامل ہے جو فعل "kletos" کی ایک صورت ہے جس کے معنی "بلاہٹ" کے ہیں۔ یوں، پاراکلیتوس (Parakletos) اُس شخص کے لئے اِستعمال ہوتا تھا جسے کسی دُوسرے کے ساتھ کھڑے ہونے کے لئے بلایا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ لفظ ایک وکیل کے لئے اِستعمال ہوتا تھا، لیکن ہر طرح کے وکیل کے لئے نہیں۔ اِصطلاحی طور پر، پاراکلیتوس (Parakletos) اُس خاندانی وکیل کو کہا جاتا تھا جو مستقل بنیاد پر مقرر کیا گیا ہوتا تھا۔ جب بھی خاندان میں کوئی مسئلہ پیدا ہوتا تو پاراکلیتوس بُلانے پر موجود ہوتا تھا اور وہ فوراً اُس کشمکش میں مدد کرنے کے لئے آ جاتا تھا۔ یہی صورت ہماری رُوح القدس کے ساتھ تعلق میں پائی جاتی ہے۔ ہم خدا کے خاندان کا حصہ ہیں اور خاندانی وکیل خود رُوح القدس ہے۔ وہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے تاکہ ہمارے ساتھ آ کھڑا ہو اور مشکلات میں ہماری مدد کرے۔

میرا یہ ماننا ہے کہ انگریزی زبان میں نئے عہد نامے کے بیشتر تراجم پاراکلیتوس (parakletos) کے ترجمہ میں کمزور ثابت ہوئے ہیں، خصوصاًوہ جو اُس کا ترجمہ "تسلی دینے والا" (comforter) کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ اصل نکتے کو واضح نہیں کرتا۔ جب یسوع نے کہا کہ وہ باپ سے درخواست کرے گا کہ وہ شاگردوں کے لئے "دُوسرا مددگار" (Paraclete) بھیجے تو وہ کسی ایسے شخص کے بارے میں بات نہیں کر رہا تھا جو آئے اور اُس وقت اُن کے زخموں کو شفا دے جب وہ زخمی اور شکستہ حال ہوتے ہیں۔ یقیناًرُوح القدس کے اہم کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شکستہ دِلوں کو تسلی دیتا ہے، جب ہم غم اور ماتم کی حالت میں ہوتے ہیں تو وہ اُس وقت ہمارے لئے جلعاد کے مرہم کی مانند ہوتا ہے، لیکن ہمیں اُس پس منظر کو یاد رکھنا چاہئے جس میں یسوع نے رُوح کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، وہ اپنے شاگردوں سے کہہ رہا تھا کہ وہ اُن سے جُدا ہونے والا ہے۔ وہ ایک ایسی دُنیا کے درمیان اُس کے بغیر رہنے والے تھے جو اُن کے خلاف تھی، جہاں اُن سے ویسی ہی نفرت کی جانے والی تھی، جیسی اُس سے کی گئی تھی۔ اُن کی زِندگی کا ہر لمحہ دُنیا کی طرف سے دباؤ، مخالفت اور اِیذارسانی سے بھرا ہوا ہوتا، کوئی بھی شخص اِس طرح کی صورتِ حال میں مدد کے بغیر داخل ہونا نہیں چاہتا۔

کنگ جیمز ورژن (King James Version) کے مترجمین نے پاراکلیتوس (parakletos) کا ترجمہ اَنگریزی لفظ "Comforter" سے کیا، کیوں کہ اُس وقت انگریزی زبان تارِیخی اِعتبار سے اپنی لاطینی اصل کے ساتھ گہرے طور پر مربوط تھی۔ آج ہم لفظ "comfort" کو مصیبت کے درمیان آسانی اور تسلی کے معنی میں سمجھتے ہیں، لیکن اُس کا اصل مفہوم مختلف تھا۔ یہ لاطینی لفظ "comfortis" سے ماخوذ ہے،، جو ایک سابقہ "com" جس کے

معنی "ساتھ" ہیں اور ایک جڑ "fortis" جس کے معنی "قوت" کے ہیں، پر مشتمل تھا۔ پس، اصل میں اِس لفظ کے معنی "قوت کے ساتھ" تھے۔ لہٰذا، کنگ جیمز ورژن (King James Version) کے مترجمین اِس بات کی طرف اِشارہ کر رہے تھے کہ رُوح القدس مسیح کے لوگوں کے پاس اِس لئے نہیں آتا کہ وہ لڑائی کے بعد اُن کے زخموں کو شفا دے، بلکہ اِس لئے آتا ہے کہ وہ کشمکش سے پہلے اور اُس کے دوران اُنہیں مضبوط کرے۔ خیال یہ ہے کہ کلیسیا زیادہ تر ہسپتال کے طور پر نہیں بلکہ ایک لشکر کے طور پر کام کرتی ہے اور رُوح القدس مسیحیوں کو قوت دینے اور مضبوط کرنے کے لئے آتا ہے تاکہ فتح سے بڑھ کر غلبے کو یقینی بنایا جائے۔

فتح سے بڑھ کر غلبہ

پس، نطشے نے کہا "زِندگی بے معنی ہے، لیکن پھر بھی دلیری کے ساتھ ثابت قدم رہو"۔ یسوع مسیح نے بھی اپنے لوگوں کو مشکلات، مصیبت اور مخالفت کے مقابل اِطمینان رکھنے کی تلقین کی، لیکن اُس نے اُنہیں بے بنیاد اِطمینان کے لئے نہیں بلایا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: "اِطمینان رکھو" (یوحنا ۱۶: ۳۳) یا جیسا کہ بعض تراجم میں یوں بیان کیا گیا ہے: "خوش رہو"۔ تاہم، اُس نے اُنہیں محض اِطمینان کی خاطر ایسا کرنے کو نہیں کہا، بلکہ اُس نے اُنہیں یہ بنیاد فراہم کی کہ مسیحی زِندگی کے لئے اُن کے پاس اِعتماد اور یقین کا احساس کیوں ہونا چاہئے۔ اُس نے فرمایا: "خاطِر جمع رکھّو مَیں دُنیا پر غالِب آیا ہوں"۔

نطشے ایک فوق البشر، یعنی ایک فاتح اِنسان کا خواہاں تھا۔ دراصل اُسے مسیح کی طرف دیکھنا چاہئے تھا۔ وہ دُنیا پر غالب آیا ہے اور اُس نے یہ کام اُسی رُوح کی قدرت سے کیا ہے جسے وہ اپنے لوگوں کی طرف بھیجتا ہے۔ رُوح القدس خدا کے لوگوں کو قوت اور قدرت عطا کرنے کے

لئے آتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں کتابِ مقدس یوں بیان کرتی ہے: "اُس کے وسیلہ سے جِس نے ہم سے محبّت کی ہم کو فتح سے بھی بڑھ کر غلبہ حاصِل ہوتا ہے "(رومیوں ۸:۳۷)۔ یہ نطشے کے تصوُّر سے کہیں بڑھ کر ہے۔

پس، رُوح القدس کا کام مسیح کے کام کو مکمل کرتا ہے۔ مسیح پہلا پیراکلیٹ (Paraclete) تھا، جو اپنی کفّارہ بخش موت کے وسیلہ سے ہمیں تقویت دینے کے لئے آیا۔ اب اُس زندگی کو بسر کرنے کی قدرت، جس کی بلاہٹ مسیح نے ہمیں دی ہے، ہمیں رُوح القدس کے وسیلہ سے عطا کی جاتی ہے۔

چوتھا باب

تقدِیس کرنے والا

کیا آپ نے کبھی اِس بات پر غور کیا ہے کہ رُوح القدس کو ''رُوح القدس'' کیوں کہا جاتا ہے؟ یقیناً وہ قدُوس ہے، لیکن خدا باپ بھی اپنی بے عیب قدّوسیت کے سبب پہچانا جاتا ہے اور یہی قدّوسیت خدا بیٹے کی صفت بھی ہے۔ اِس بات کا کوئی جواز نہیں کہ رُوح القدس تثلیث کے باقی دونوں اقانیم کی نسبت زیادہ قدّوسیت رکھتا ہو۔ پس، یہ اُس کی کسی غیر معمولی یا حد سے زیادہ قدّوسیت کی بنا پر نہیں ہے کہ ہم اُسے رُوح القدس کہتے ہیں۔ اِسی طرح، رُوح واقعی رُوح ہے، لیکن خدا باپ بھی رُوح ہے اور خدا بیٹا بھی اپنی ذات میں، بطور کلام (Logos) جو تثلیث کا دُوسرا اَقنوم ہے، رُوح ہے۔ لہٰذا، یہ بات واضح ہے کہ ہم تثلیث کے تیسرے اَقنوم کو محض اِس لئے رُوح القدس نہیں کہتے کہ وہ رُوح ہے۔

تثلیث کے تیسرے اقنوم کے رُوح القدس کہلانے کے پیچھے چند بنیادی وجوہات پائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ لفظ ''قدّوس'' اُس کے لقب کے ساتھ اُس خاص کام کی بنا پر منسلک کیا گیا ہے جو وہ ہماری نجات میں اَنجام دیتا ہے۔ اقانیمِ ثلاثہ میں رُوح القدس وہ بنیادی فاعل ہے جو ہماری تقدِیس کے لئے کام کرتا اور اُس عمل کو ممکن بناتا ہے جس کے ذرِیعے ہم مسیح کی شبیہ کے مطابق ڈھالے جاتے اور مقدّس کئے جاتے ہیں۔

مسیحی اکثر مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں ''میری زِندگی کے لئے خدا کی مرضی کیا ہے؟''۔ وہ اِس بارے میں طرح طرح کے سوالات رکھتے ہیں کہ اُنہیں کس سے شادی کرنی

چاہیئے، کون سا پیشہ اِختیار کرنا چاہیئے اور دِیگر بے شمار فیصلے۔ لیکن بائبل مقدّس ہماری زِندگیوں کے لئے خدا کی بنیادی مرضی کے بارے میں نہایت واضح ہے۔ پولُس رسُول لکھتا ہے: ''خُدا کی مرضی یہ ہے کہ تُم پاک بنو'' (۱۔ تھسلنیکیوں ۴:۳)۔ بعض اوقات مَیں مسیحیوں کو یہ کہتے ہوئے سُنتا ہوں کہ اُنہیں کسی کام کے لئے رُوح کی طرف سے راہ نُمائی حاصل ہوئی ہے۔ یقیناً، رُوح القدس بعض اوقات لوگوں کو مخصوص مقامات کی طرف یا خاص ذِمے داریوں کی جانب لے جاتا ہے، لیکن رُوح کی بنیادی راہ نمائی، جیسا کہ کتابِ مقدّس میں بیان کیا گیا ہے، قدُّوسیت کی طرف ہوتی ہے۔ یہ اُسی کی قدرت ہے جو ہمارے اندر کام کرتی اور ہمیں قدوسیت میں بڑھنے کے قابل بناتی ہے۔ ہمیں نہایت اِحتیاط کے ساتھ کتابِ مقدّس کے صفحات کی طرف رُجوع کرنا چاہیئے تاکہ ہم خدا کی مرضی اور رُوح کی راہ نمائی کے بارے میں سیکھیں اور محض اُن مقبول تعلیمات پر اِنحصار نہ کریں جو اِس مسیحی ثقافت میں پائی جاتی ہیں، جس میں ہم رہتے ہیں۔ پس، ایک بنیادی وجہ جس کی بنا پر رُوح القدس کو رُوح القدس کہا جاتا ہے یہ ہے کہ مسیح کے پیروکاروں کو تقدِیس کی جستجو میں قابل بنانے کا خاص کام اُسی کے سپرد کیا گیا ہے۔

ثانیاً، تثلیث کے تیسرے اقنوم کو رُوح القدس اِس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ رُوح کی ایک سے زیادہ اَقسام پائی جاتی ہیں۔ کتابِ مقدّس اِنسان کی رُوح اور خدا کے رُوح کے درمیان واضح اِمتیاز قائم کرتی ہے، بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر ہمارے زیرِ غور پہلو کے لئے یہ بات اہم ہے کہ بائبل مقدّس بدرُوحوں کا بھی ذِکر کرتی ہے، یعنی ایسی رُوحیں جو خدا کی طرف سے نہیں ہیں، بلکہ ایسی بُری اَرواح ہیں جو ایک مسیحی کو اُس کی تقدیس کی جستجو میں پیش رفت سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اِن شریر اَرواح اور رُوح القدس کے درمیان بنیادی فرق عین قدُّوسیت کے مقام پر

واقع ہوتا ہے۔ بُری ارواح ناپاک ہوتی ہیں، لیکن رُوح القدس سراسر قدُّوس ہے۔ اِسی اِمتیاز کی بنا پر یوحنا رسُول ہمیں یہ تنبیہ کرتا ہے: "ہر ایک رُوح کا یقین نہ کرو بلکہ رُوحوں کو آزماؤ کہ وہ خُدا کی طرف سے ہیں یا نہیں" (۱۔ یوحنا ۴:۱)۔

اپنے گناہ کو جائز قرار دینا

مَیں اِن نکات پر اِس لئے زور دیتا ہوں کہ مسیحی دُنیا میں ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے گناہ کو جائز ٹھہرانے میں مہارت رکھتے ہیں، اور ایسا کرنے کے بڑے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں فلاں فلاں کام کرنے کے لئے رُوح القدس کی راہ نُمائی حاصل ہوئی تھی۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا مَیں ہر دس سال بعد ایک بار سامنا کرتا ہوں، بلکہ کم اَز کم ہفتہ میں ایک بار مَیں کسی ایسے اِقرار کرنے والے مسیحی سے بات کرتا ہوں جو مجھے یہ بتاتا ہے کہ وہ بغیر بائبلی جواز کے طلاق لے رہا ہے، یا بائبل مقدّس میں بیان کردہ شادی کی شرائط کے برخلاف شادی کر رہا ہے۔ وہ طرح طرح کے کام کر رہے ہوتے ہیں اور بغیر کسی اِستثنا کے وہ مجھے یہ کہتے ہیں کہ وہ یہ سب کرنے میں اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتے ہیں، کیوں کہ "مَیں نے اِس بارے میں دُعا کی اور خدا نے مجھے اِطمینان دیا ہے" یا پھر "رُوح القدس نے مجھے یہ کرنے کی راہ نُمائی دی ہے۔"

جب مَیں غیر بائبلی روِیے کے لئے پیش کی جانے والی اِس قِسم کی توجیہات کو سُنتا ہوں تو مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ لوگ درحقیقت اُس بات پر یقین رکھتے ہوں گے جو وہ مجھے بتا رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ سچ نہیں بول رہے ہوتے، بلکہ وہ گمراہی میں بات کر رہے ہوتے ہیں اور یہ نہایت سنگین گمراہی ہوتی ہے۔ مَیں اِس بات کو دو وجوہات کی بنا پر جانتا ہوں، اور یہ وجوہات خدا کے

رُوح کے کردار سے متعلق دو نہایت اہم حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ رُوح القدس ہے اور دُوسری یہ کہ یسوع مسیح نے اُسے بار بار "رُوحِ حق" کہا ہے (یوحنا ۱۴:۱۷؛ ۱۵:۲۶؛ ۱۶:۱۳)۔ رُوح القدس ہمیں کبھی بھی کسی ایسی بات کی طرف راغب نہیں کرتا جو قدُّوسیت کے خلاف ہو اور نہ ہی رُوح القدس ہمیں کبھی جھوٹ کو قبول کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔

ہم بائبل مقدّس کو خدا کا کلام کہتے ہیں اور یہ بات حقیقت ہے۔ اُن وجوہات میں سے ایک جن کی بنا پر کلیسیا نے اِس اِیمان کا اِقرار کیا ہے کہ کتابِ مقدّس خدا کا کلام ہے، یہ بائبلی دعویٰ ہے کہ مقدّس نوشتوں کے تمام اَلفاظ اِبتدا ہی سے رُوح القدس کے اِلہام کے وسیلے سے قلم بند کئے گئے تھے۔ یقیناً، بائبل مقدّس یہ تعلیم دیتی ہے کہ رُوح القدس نے نہ صرف بائبلی کُتب کی تحریر کو اِلہام بخشا، بلکہ وہ کتابِ مقدّس کو روشن کرتا ہے اور اُنہیں ہماری سمجھ پر لاگو کرتا ہے۔ پولُس رسُول لکھتا ہے: "کیوں کہ خُدا اَبتری کا نہیں بلکہ امن کا بانی ہے" (۱۔کرنتھیوں ۱۴:۳۳) اور اِس میں رُوح القدس بھی شامل ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ رُوح القدس ہمیں کبھی بھی ایسا کرنے کی تعلیم نہیں دیتا جسے وہ خود مقدّس نوشتوں میں واضح طور پر منع کرتا ہے۔

پس، جب بائبل مقدّس یہ کہتی ہے کہ ہم رُوحوں کو آزمائیں تاکہ یہ دیکھیں کہ آیا وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، تو ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں؟ ہمیں کس قسم کی کسوٹی اِختیار کرنی چاہیے؟ ظاہر ہے کہ یہ کسوٹی بائبل مقدّس ہی ہونی چاہیے، کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ کتابِ مقدّس میں ہمارے پاس رُوحِ حق کی تعلیم موجود ہے۔ لہٰذا، اگر میرے اندر کوئی میلان، گمان یا خواہش پائی جاتی ہے اور مَیں اُس اندرونی راہ نُمائی کو رُوح القدس کے ساتھ منسوب کرنا چاہتا ہوں، لیکن ساتھ ہی مَیں دیکھتا ہوں کہ میرے دِل کا یہ میلان کتابِ مقدّس کی تعلیم کے صریح خلاف ہے تو

میرے پاس یہ قطعی ثبوت موجود ہوتا ہے کہ مَیں اپنی خواہشِ نفس، لالچ یا کسی اور اندرونی احساس کو رُوح القدس کی راہ نمائی کے ساتھ خلط ملط کر رہا ہوں۔ یہ نہایت ہولناک بات ہے۔

اِن دِنوں مسیحی حلقوں میں ہم اِس بات کے بارے میں تقریباً کچھ نہیں سُنتے، کیوں کہ مسیحی آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو رُوحانی ظاہر کر لیتے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اُن کے دِل میں فلاں فلاں بات ڈالی ہے یا خدا نے اُنہیں مختلف کام کرنے کی راہ نمائی دی ہے۔ جب بھی مَیں اِس طرح کا دعویٰ سُنتا ہوں تو مَیں اُس شخص سے یہ کہنا چاہتا ہوں: "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ خدا نے یہ بات آپ کے دِل میں ڈالی ہے؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ آپ کی اپنی خواہش یا آپ کے اپنے لالچ کا اِظہار نہیں ہے؟" مَیں چاہتا ہوں کہ وہ شخص اپنے دعوے کے لئے بائبل مقدّس سے بنیاد پیش کرے۔ جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں، مجھے اِس میں کوئی شک نہیں کہ رُوح القدس ایک اِیمان دار کے دِل میں بوجھ ڈال سکتا اور اُسے مافوق الفطرت طریقے سے راہ نمائی فراہم کر سکتا ہے، لیکن وہ ہمیشہ ایسا کتابِ مقدّس کے مطابق اور اُس کے وسیلے سے ہی کرتا ہے۔ وہ کبھی بھی بائبل مقدّس میں اپنے ہی مکاشفہ کے خلاف نہیں جاتا۔ پس، رُوحوں کو آزمانے کا طریقہ یہ ہے کہ اُنہیں رُوح کی اپنی سچائی کے مطابق پرکھا جائے۔

عقیدے کی مخالفت

ہماری تقدِیس میں بڑھوتری کا ایک حصہ خدا کے کلام کی سمجھ میں بڑھوتری بھی ہے۔ بدقسمتی سے مَیں ایک ایسی تحریک کے بارے میں نہایت سنجیدہ تشویش رکھتا ہوں جو بظاہر مسیحی دُنیا میں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ عقیدے یا علمِ اِلٰہی کے مطالعہ کے بارے میں ایک ہمہ گیر عدم دِلچسپی پائی جاتی ہے اور بعض اوقات اُس کے خلاف واضح مخالفت بھی

ظاہر کی جاتی ہے۔ مَیں نے حقیقتاً یہ بات سُنی ہے کہ کلیسیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک وہ جو علمِ اِلٰہی کو اہم سمجھتے ہیں اور دُوسرے وہ جو اُسے اہم نہیں سمجھتے، لیکن اِس کے ساتھ ایک اَور بات بھی کہی جاتی ہے کہ جو لوگ علمِ اِلٰہی کو اہمیت دیتے ہیں وہ محبت رکھنے والے نہیں ہوتے اور یہ ایک مسئلہ ہے، کیوں کہ کہا جاتا ہے کہ خدا اِس بات کی زیادہ پرواکرتا ہے کہ ہم محبت کرنے والے ہوں، بہ نسبت اِس کے کہ ہم علمِ اِلٰہی کو جانتے ہوں۔

جب مَیں نے یہ بات سُنی تو مَیں گہرے طور پر پریشان ہوا۔ یقیناً، مَیں اِس سے پہلے بھی عقیدے کے بارے میں نفرت آمیز اِظہار سُن چکا تھا، اور مَیں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ عقیدے کا مطالعہ بعض اوقات ایسی مُردہ راست اِعتقادی حالت تک لے جا سکتا ہے جو بالکل بھی خدا پرستی پر مبنی نہیں ہوتی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص عقیدے کا مطالعہ محض ایک ذہنی مشق کے طور پر کرے اور اُس کے دِل میں نہ خدا کے لئے محبت پائی جائے اور نہ ہی دُوسروں کے لئے۔ لیکن یہ بالکل مختلف بات ہے کہ اِس مسئلے کو عام کر دیا جائے اور یہ نتیجہ نکالا جائے کہ اگر ہم مسیحی علمِ اِلٰہی کے مطالعہ کو اِختیار کریں تو ہم ہرگز محبت رکھنے والے نہیں ہو سکتے، لہٰذا محبت کرنے والا بننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ علمِ اِلٰہی سے گریز کیا جائے۔ اِس کے نتائج پر غور کریں۔ ایسا نتیجہ یہ معنی رکھتا ہے کہ محبت کرنے والا بننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم حتیٰ المقدور خدا کی باتوں کی سمجھ سے گریز کریں۔ علمِ اِلٰہی کا مطالعہ دراصل خدا کے کردار کے مطالعہ کے سوا کچھ نہیں، جس کی اعلیٰ ترین صفت محبت ہے۔ دُرُست علمِ اِلٰہی حقیقتاً محبت کی مرکزی اہمیت کی تعلیم دیتا اور ہمیں اِس طرف مائل کرتا ہے کہ ہم کتابِ مقدّس کے خدا سے اور دِیگر لوگوں سے بھی محبت کریں۔

عقیدے کے لئے اِس قِسم کی عداوت عموماً کسی اِلٰہیاتی تنازع کے سیاق میں ظاہر کی جاتی ہے۔ اِلٰہیاتی تنازعات کے دونوں پہلوؤں میں لوگ بدمزاجی پر اُتر آتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ہر قِسم کے تنازع سے کنارہ کشی اِختیار کر لیتے ہیں۔ وہ اکثر یہ کہتے ہیں: "مَیں نہ تو اِس تنازع کی پروا کرتا ہوں اور نہ ہی عمومی طور پر عقیدے کی، مَیں تو بس یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں ایک دُوسرے کے ساتھ زیادہ محبت سے پیش آنا چاہیئے"۔ لیکن کیا یہ محبت ہے کہ سنجیدہ علمِ اِلٰہی کی غلطی کو بغیر چیلنج کئے جاری رہنے دیا جائے؟ کیا اُس وقت پولُس رسُول محبت سے خالی تھا جب وہ ہر روز چوک میں خدا کی باتوں کے بارے میں بحث کیا کرتا تھا؟(اَعمال ۱۷:۱۷)۔ کیا یسوع مسیح اُس وقت محبت سے خالی تھا جب اُس نے فریسیوں کی تعلیم کی تردِید کی؟ کیا قدیم اِسرائیل کے نبی اُس وقت محبت سے خالی تھے جب اُنہوں نے جھوٹے نبیوں کو ملامت کی اور اُنہیں تنبیہ کی؟ کیا ایلیاہ اُس وقت محبت سے خالی تھا جب اُس نے بعل کے نبیوں کے ساتھ جھگڑا کیا(۱۔سلاطین ۱۸)۔ مَیں اِس بات کا تصوّر نہیں کر سکتا کہ اُس دِن کوہِ کرمل پر موجود ہجوم میں سے کوئی یہ کہہ رہا ہو: "اگر تم چاہو تو ایلیاہ کی پیروی کر سکتے ہو، لیکن مَیں ایسا نہیں کروں گا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ سچائی پر ہو، لیکن وہ محبت کرنے والا نہیں ہے۔ دیکھو اُس نے بعل کے اِن نبیوں کے ساتھ کیا کیا، کس قدر محبت سے عاری ہے"۔ خدا کی سچائی کے لئے جدوجہد کرنا محبت کا عمل ہے، نہ کہ محبت کے فقدان کی علامت۔ اگر ہم خدا سے محبت رکھتے ہیں، اگر ہم مسیح سے محبت رکھتے ہیں اور اگر ہم کلیسیا سے محبت رکھتے ہیں تو ہمیں اُس سچائی سے بھی محبت رکھنی چاہیئے جو مسیحیت کی اصل حقیقت کو متعین کرتی ہے۔

مَیں نے ایک مرتبہ ایک اور پریشان کُن بات سنی: ''مسیحیت تعلقات پر مبنی ہے، نہ کہ نظریات پر''۔ وہ شخص یہ بھی کہتا رہا کہ مسیحیت کا تعلق سچائی سے بھی ہے، لیکن مَیں اِن دونوں باتوں کو پوری طرح یکجانہ کر سکا۔ اگر مسیحی اِیمان نظریاتی بیانات پر مبنی نہیں ہے تو پھر وہ کس نوعیت کی سچائی سے متعلق ہے؟ مَیں یہ یقین رکھتا ہوں کہ عمومی طور پر ثقافت میں اور خاص طور پر کلیسیا میں وجودِیت کے اَثرات نے ایک ایسی چیز کو جنم دیا ہے جو سابقہ نسلوں میں نامعلوم تھی، یعنی تعلقاتی علمِ اِلٰہی۔ سادہ طور پر بیان کیا جائے تو تعلقاتی علمِ اِلٰہی ایک ایسا نظام ہے جس کا مواد اور مفہوم تعلقات کے ذریعے متعین ہوتا ہے۔ یہ خالص اِضافیت سے صرف ایک آدھ قدم دُور ہے۔ یہ اُس قسم کا علمِ اِلٰہی ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر آپ یہ اِیمان رکھتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور مَیں یہ اِیمان رکھتا ہوں کہ خدا تین میں ایک ہے، تو اصل اہمیت ہمارے باہمی تعلق کی ہوتی ہے۔ سچائی کا تعین تعلقات کے ذریعے ہوتا ہے، نہ کہ نظریاتی بیانات کے ذریعے۔ مثال کے طور پر، اگر مَیں یہ کہوں کہ یسوع مسیح صلیب پر کفّارہ کے طور پر مرا اور کوئی دُوسرا یہ کہے کہ اُس کی موت کفّارہ نہیں تھی، تو ہم اِس پر گفتگو نہیں کرتے تاکہ ہمارا تعلق متاثر نہ ہو۔ تعلقات کو برقرار رکھنا چاہئے، چاہے سچائی مسخ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

خدا کو جاننے کا مقصد

ایمل برونر (Emil Brunner) بیسویں صدی کا ایک سوئس علمِ اِلٰہی کا عالم اور نیو آرتھوڈوکسی علمِ اِلٰہی کے بانیوں میں سے ایک تھا، اُس نے ایک مختصر کتاب تصنیف کی جس کا عنوان "Truth as Encounter" تھا۔ اُس کا موقف یہ تھا کہ جب ہم خدا کی باتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم سچائی کا مطالعہ محض مجرد صورت میں نہیں کرتے۔ ہم علمِ اِلٰہی کو محض اِس لئے سمجھنا

نہیں چاہتے کہ ہم علمِ اِلٰہی کے اِمتحان میں اعلیٰ درجہ حاصل کریں۔ ہم خدا کے بارے میں نظریات کو اِس لئے سمجھنا چاہتے ہیں تاکہ ہم خدا کو سمجھ سکیں، تاکہ ہم اُس کے کلام میں زِندہ خدا سے ملاقات کریں اور اُس کے ساتھ اپنے ذاتی تعلق کو گہرا کریں۔ لیکن اگر ہم کسی کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے تو ہم اُس کے ساتھ اپنے تعلق کو گہرا نہیں کر سکتے۔ پس، کتابِ مقدّس کے نظریاتی بیانات اپنے آپ میں کوئی مقصد نہیں ہیں بلکہ ایک مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ تاہم، وہ اُس مقصد کے لئے ایک لازمی ذریعہ ہیں۔ پس، یہ کہنا کہ مسیحیت نظریاتی بیانات پر مبنی نہیں بلکہ تعلقات پر مبنی ہے، ایک نہایت خطرناک اور غلط اِمتیاز قائم کرنا ہے۔ یہ رُوحِ حق کی توہین کرنا ہے، کیوں کہ یہ بیانات اُسی کے ہیں۔ یہ بیانات ہمارے لئے گویا خوراک اور مشروب ہونے چاہئیں، کیوں کہ یہی مسیحی زندگی کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

حال ہی میں مَیں نے ایک مسیحی رسالے کے مدیر کے نام کچھ خطوط پڑھے۔ اُن خطوط میں سے ایک میں اعلیٰ ڈگریوں کے حامل مسیحی علماء کو حقیر جانا گیا تھا۔ خط لکھنے والے نے اِلزام لگایا کہ ایسے لوگ قدِیم زبانوں میں مسیح کی تعلیمات کے اَلفاظ کا بارِیک مطالعہ کرنے میں لطف اُٹھاتے ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ اُس نے درحقیقت وہ نہیں کہا جو ہماری انگریزی بائبل میں بظاہر نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے کلام کے کسی بھی سنجیدہ مطالعہ کے بارے میں ایک منفی رویہ پایا جاتا تھا۔ یقیناً، کچھ علما ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک لفظ کا چھ مختلف زبانوں میں مطالعہ کرتے ہیں اور پھر بھی اُس کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خدا کے کلام کے کسی سنجیدہ مطالعہ میں مشغول ہی نہ ہوں کہ کہیں ہم بھی اِن بے دِین علما کی مانند نہ ہو جائیں۔ ایک اَور خط لکھنے والے نے یہ رائے ظاہر کی کہ جو لوگ عقائد کے مطالعہ میں مشغول ہوتے ہیں وہ

اِس دُنیا میں لوگوں کے دُکھ درد کی پروا نہیں کرتے۔ تاہم، میرے تجربے میں یہ تقریباً ناممکن ہے کہ کوئی شخص درد کا تجربہ کرے اور سچائی کے بارے میں سوالات نہ اُٹھائے۔ ہم سب دُکھ کے بارے میں سچائی کو جاننا چاہتے ہیں اور خاص طور پر یہ کہ ہمارے دُکھ میں خدا کہاں ہے۔ یہ ایک علمِ الٰہی کا معاملہ ہے۔ اِس کا جواب ہمیں کتابِ مقدّس سے حاصل ہوتا ہے، جو خود رُوح القدس کے وسیلے سے خدا کے ذہن کو ہم پر ظاہر کرتی ہے، جسے رُوحِ حق کہا جاتا ہے۔ اگر ہم خدا کی سچائی سے محبت نہیں رکھتے تو ہم کسی طور بھی خدا سے محبت نہیں رکھ سکتے۔

میرے لئے یہ نہایت اَفسوس ناک بات ہے کہ آج کی ترقی یافتہ مغربی تہذیب میں لوگ بنی اِسرائیل کے بارہ قبائل یا مسیح کے بارہ رسُولوں کی نسبت بارہ برجوں کی علامات سے زیادہ واقف ہیں۔ ہماری دُنیا اپنے آپ کو ترقی یافتہ اور ٹیکنالوجی سے آراستہ دیکھنا پسند کرتی ہے، لیکن وہ اب بھی توہم پرستی سے بھری ہوئی ہے اور مسیحی اِس سے محفوظ نہیں ہیں۔ ہم بھی اپنے ماحول کو قابو میں لانے کے نئے دَور کی رغبت کے آگے جھک سکتے ہیں۔ ہمیں اِس قدر آگے جانے کی ضرورت نہیں کہ ہم اِس احمقانہ خیال کو قبول کرلیں کہ ستاروں کی گردِش ہماری تقدِیر، ہماری خوش حالی، ہمارے کارناموں اور ہماری کامیابیوں کا تعین کرتی ہے۔ تاہم، اپنے احساسات اور میلانات کو رُوح القدس کی راہ نمائی کے برابر ٹھہرانا بھی اُتنا ہی توہم پرستانہ ہے۔ رُوح القدس کی راہ نُمائی کے لئے ایک بے لگام کھلے پن کے ساتھ زِندگی گزارنا بظاہر کہیں زیادہ دِلچسپ محسوس ہوتا ہے، بہ نسبت اِس کے کہ اُس کے کلام پر عبور حاصل کرنے کے لئے محنت طلب نظم وضبط کو اِختیار کیا جائے۔ یہ نہایت خطرناک راستہ ہے۔ اگر ہم باپ کی مرضی پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں باپ کے کلام کا مطالعہ کرنا چاہئے اور جادُوگری کو نجومیوں کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔

پانچواں باب

مسح کرنے والا

پُرانے عہدنامے کے تمام عرصے کے دوران رُوح القدس ایک عارضی اور وقتی موجودگی کے طور پر ظاہر ہوتا رہا۔ وہ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہا، لیکن اُس کی خدمت کو کبھی بھی مفصل انداز میں بیان نہیں کیا گیا تھا۔ اُس کا ایک کردار جو بار بار سامنے آتا رہا، یہ تھا کہ وہ اِسرائیلی پیشواؤں کو اُن کاموں کے لئے جو اُنہیں خدا کی طرف سے سونپے گئے تھے، قوت بخشتا تھا۔

پرانے عہد نامے میں رُوح کے وسیلے سے مسح کئے جانے کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں جہاں وہ قائدین کو مسح کرتا رہا: "خداوند کی رُوح اُس (عتنی ایل) پر اُتری اور وہ اِسرائیل کا قاضی ہوا" (قضاۃ ۳:۱۰) "پھر خداوند کا رُوح اِفتاح پر نازل ہوا" (قضاۃ ۱۱:۲۹) "خُدا کی رُوح اُس پر زور سے نازِل ہُوئی" (۱۔ سموئیل ۱۱:۶) "تب سَموئیل نے تیل کا سِینگ لِیا اور اُسے اُس کے بھائیوں کے درمیان مسح کِیا اور خُداوند کی رُوح اُس دِن سے آگے کو داؔؤد پر زور سے نازِل ہوتی رہی" (۱۔ سموئیل ۱۶:۱۳)۔ اِسی طرح ہمیں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جب نبیوں کو خدا کی طرف سے کلام کے لئے بلاہٹ دی گئی تو رُوح اُن پر ٹھہر تا رہا (۱۔ سلاطین ۱۷:۲؛ یرمیاہ ۱:۴) اور کاہنوں کے رُوح کے مسح کئے جانے کو اُن کے تیل سے مسح کئے جانے کے وسیلہ سے ظاہر کیا گیا (خروج ۲۹:۲۱)۔ تاہم، یہ مثالیں یہ واضح کرتی ہیں کہ خدمت کے لئے رُوح کا مسح محدود تھا، لیکن پرانے عہد نامے نے اِس بات کی طرف اِشارہ کیا تھا کہ کسی دِن رُوح کے مسح کی نوعیت کہیں زیادہ وسیع اور پائیدار ہوگی۔

اِن اِشاروں میں سے ایک اِشارہ گنتی کی کتاب میں پایا جاتا ہے۔ یہاں ہم پڑھتے ہیں:

"اور جو مِلی جُلی بھیڑ اُن لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حرِص کرنے لگی اور بنی اِسرائیل بھی پھر رونے اور کہنے لگے کہ ہم کو کون گوشت کھانے کو دے گا؟ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مصر میں کھاتے تھے اور ہائے وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنے اور پیاز اور لہسن۔ لیکن اب تو ہماری جان خشک ہو گئی ہے۔ یہاں کوئی چیز میسر نہیں اور من کے سِوا ہم کو اَور کچھ دِکھائی نہیں دیتا۔ اور من دھنیے کی مانند تھا اور ایسا نظر آتا تھا جیسے موتی۔ لوگ اِدھر اُدھر جا کر اُسے جمع کرتے اور اُسے پیستے یا اُکھلی میں کوٹ لیتے تھے۔ پھر اُسے ہانڈیوں میں اُبال کر روٹیاں بناتے تھے اُس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا اور رات کو جب لشکر گاہ پر اوس پڑتی تھی تو اُس کے ساتھ من بھی گرتا تھا اور موسیٰ نے سب گھرانوں کے آدمیوں کو اپنے اپنے ڈیرے کے دروازہ پر روتے سُنا اور خداوند کا قہر نہایت بھڑکا اور موسیٰ نے بھی بُرا مانا۔ تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ تُو نے اپنے خادِم سے یہ سخت برتاؤ کیوں کیا؟ اور مجھ پر تیرے کرم کی نظر کیوں نہیں ہوئی جو تُو اِن سب لوگوں کا بوجھ مجھ پر ڈالتا ہے؟" (گنتی ۱۱: ۴-۶)۔

مجھے یہاں پس منظر بیان کرنے دیں۔ خدا نے اِسرائیل کو مصر کی غلامی سے رہائی دی تھی۔ جب وہ اُنہیں بیابان میں سے گزارتا ہوا موعودہ سرزمین کی طرف لے کر جا رہا تھا، تو وہ اُن کی روزمرہ ضروریات کا خیال رکھتا رہا اور آسمان سے معجزانہ طور پر منّ کے ذریعے اُنہیں خوراک مہیا کرتا رہا۔ اِبتدا میں، بنی اِسرائیل کے لوگ اپنی آزادی اور اُس اِلٰہی پروردگاری پر جو اُنہیں ہر روز کھانے کو دیتا، خوش ہوتے رہے، لیکن جلد ہی وہ غیر مطمئن ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنی غلامی کے

کوڑے، اَذِیّت، پسینہ اور مفلسی کو بھلا دیا، اب اُن کے گہرے تصوُّرات اُن مچھلیوں، کھیروں، خربوزوں، ترکاریوں، پیاز اور لہسن کی یادوں سے بھر گئے جو وہ مصر میں کھاتے تھے۔ وہ اِس بات پر ناخوش تھے کہ اُنہیں ہر کھانے میں ایک ہی چیز، یعنی منّ، کھانا پڑتا تھا۔ جب مَیں اُن کی اِس بے اِطمینانی کے بارے میں پڑھتا ہوں تو مَیں بے اِختیار ہنس پڑتا ہوں۔ واقعی، گھاس ہمیشہ دُوسری طرف زیادہ سبز نظر آتی ہے، یا کم اَز کم ہم ایسا ہی سمجھتے ہیں۔

جب گنتی کی کتاب کا بیان آگے بڑھتا ہے تو ہم پڑھتے ہیں: "اور موسیٰ نے سب گھرانوں کے آدمیوں کو اپنے اپنے ڈیرے کے دروازہ پر روتے سُنا اور خداوند کا قہر نہایت بھڑکا اور موسیٰ نے بھی بُرا مانا" (گنتی ۱۱:۱۰)۔ اِس مقام پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ سب ہی ناخوش تھے۔ تاہم، موسیٰ کے معاملے کی بات اِس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ وہ اپنے آپ سے باہر ہو گیا تھا:

"تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ تُو نے اپنے خادِم سے یہ سخت برتاؤ کیوں کیا؟ اور مجھ پر تیرے کرم کی نظر کیوں نہیں ہوئی جو تُو اِن سب لوگوں کا بوجھ مجھ پر ڈالتا ہے؟ کیا یہ سب لوگ میرے پیٹ میں پڑے تھے؟ کیا یہ سب مجھ ہی سے پیدا ہوئے جو تُو مجھے کہتا ہے کہ جس طرح باپ دُودھ پیتے بچے کو اُٹھائے پھرتا ہے، اُسی طرح مَیں اِن لوگوں کو اُٹھا کر اُس مُلک میں لے جاؤں جس کے دینے کی قسم تُو نے اِن کے باپ دادا سے کھائی ہے۔ مَیں اِن سب لوگوں کو کہاں سے گوشت لا کر دُوں؟ کیوں کہ وہ یہ کہہ کہہ کر میرے سامنے روتے ہیں کہ ہمیں گوشت کھانے کو دے۔ مَیں اکیلا اِن سب لوگوں کو نہیں سنبھال سکتا کیوں کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ اور جو تجھے میرے ساتھ یہی برتاؤ کرنا ہے تو میرے اُوپر اگر تیرے کرم کی نظر ہوئی ہے تو مجھے یک لخت جان سے مار ڈال تاکہ مَیں اپنی بُری گت دیکھنے نہ پاؤں" (گنتی ۱۱:۱۱-۱۵)۔

ہم موسیٰ کی مایوسی کی گہرائی کا اندازہ اُس بے بسی سے بھرپور دُعا کے اَلفاظ سے لگا سکتے ہیں جو اُس نے اُس موقع پر کی: ”مَیں اکیلا اِن سب لوگوں کو نہیں سنبھال سکتا کیوں کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ اور جو تجھے میرے ساتھ یہی برتاؤ کرنا ہے تو میرے اُوپر اگر تیرے کرم کی نظر ہوئی ہے تو مجھے یک لخت جان سے مار ڈال“۔ اُس پر ہزاروں لوگ چلّا رہے تھے اور اُس سے مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ اُنہیں وہ چیز فراہم کرے جس کے مہیا کرنے کے لئے اُس کے پاس کوئی ذرِیعہ موجود نہیں تھا۔ اُس وقت اِسرائیلیوں کی راہ نمائی جاری رکھنے کے مقابلہ میں موت اُسے زیادہ قابلِ ترجیح محسوس ہونے لگی، لیکن خدا کا جواب وہ نہ تھا جس کی موسیٰ نے توقع کی تھی:

”خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ بنی اِسرائیل کے بزرگوں میں سے ستر مرد جن کو تُو جانتا ہے کہ قوم کے بزُرگ اور اُن کے سردار ہیں میرے حضور جمع کر اور اُن کو خیمہ اِجتماع کے پاس لے آ تا کہ وہ میرے ساتھ وہاں کھڑے ہوں اور مَیں اُتر کر تیرے ساتھ وہاں باتیں کروں گا اور مَیں اُس رُوح میں سے جو تجھ میں ہے لے کر اُن میں ڈال دوں گا کہ وہ تیرے ساتھ قوم کا بوجھ اُٹھائیں تا کہ تُو اکیلا نہ اُٹھائے۔ اور لوگوں سے کہہ کہ کل کے لئے اپنے آپ کو پاک رکھو تو تم گوشت کھاؤ گے کیوں کہ تم خداوند کے سُنتے ہوئے یہ کہہ کہہ کر روتے ہو کہ ہم کو کون گوشت کھانے کو دے گا؟ ہم تو مصر ہی میں موج سے تھے سو خداوند تم کو گوشت دے گا اور تم کھانا۔ اور تم ایک یا دو دن نہیں اور نہ پانچ یا دس یا بیس دن، بلکہ ایک مہینہ کامل اُسے کھاتے رہو جب تک وہ تمہارے نتھنوں سے نکلنے نہ لگے اور اُس سے تم گھن نہ کھانے لگو کیوں کہ تم نے خداوند کو جو تمہارے درمیان ہے ترک کیا اور اُس کے سامنے یہ کہہ کہہ کر روئے کہ ہم مصر سے کیوں نکل آئے“(گنتی ۱۱:۱۶-۲۰)۔

میرا خیال ہے کہ یہاں سبق یہ ہے: جس کے لئے تم دُعا کرتے ہو اُس کے بارے میں محتاط رہو۔ لوگ گوشت کے لئے رو رہے تھے، تو خدا نے فرمایا: "ٹھیک ہے، اگر تم گوشت کھانا چاہتے ہو تو مَیں تمہیں گوشت دوں گا۔ مَیں تمہیں ناشتے کے لئے گوشت دوں گا، دوپہر کے کھانے کے لئے گوشت دوں گا، رات کے کھانے کے لئے گوشت دوں گا اور آدھی رات کے کھانے کے لئے بھی گوشت دوں گا، اور یہ صرف ایک یا دو دن کے لئے نہیں بلکہ پورے ایک مہینے تک ہو گا، جب تک وہ تمہارے نتھنوں سے نکلنے نہ لگے"۔ خدا نے فرمایا کہ وہ اُنہیں اُس وقت تک کھانے کے لئے گوشت دے گا جب تک وہ اُس کو دیکھنا بھی برداشت نہ کر سکیں گے۔

یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ موسیٰ کو اِس خبر سے تسلی ملنی چاہئے تھی۔ خدا اُن لوگوں کو وہ دینے والا تھا جو وہ چاہتے تھے، اور یوں وہ موسیٰ پر سے دباؤ ہٹا رہا تھا۔ منطقی طور پر موسیٰ کو یوں کہنا چاہئے تھا: "اَے خداوند! اِس صورتِ حال کی ذِمے داری اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے تیرا شکر ہو۔ مَیں اِس کے لئے تیرا نہایت شکر گزار ہوں"۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اِس کے برعکس، موسیٰ اِیمان کی سخت آزمایش میں مبتلا ہو گیا۔ اُس نے خدا سے کہا: "جن لوگوں میں مَیں ہوں، اُن میں چھ لاکھ تو پیادے ہی ہیں اور تُو نے کہا ہے کہ مَیں اُن کو اِتنا گوشت دوں گا کہ مہینہ بھر اُسے کھاتے رہیں گے تو کیا یہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور گائے بیلوں کے جھنڈ اُن کی خاطر ذِبح ہوں کہ اُن کے لئے بس ہو؟ یا سمُندر کی مچھلیاں اُن کی خاطر اِکٹھی کی جائیں کہ اُن کے لیے کافی ہوں" (گنتی ۱۱:۲۱-۲۲)۔

جب موسیٰ نے چھ لاکھ پیدل چلنے والے مردوں کا ذِکر کیا تو وہ دراصل اِسرائیلی فوج کے حجم کی طرف اِشارہ کر رہا تھا، یعنی وہ مرد جو جنگ کے لئے تیار تھے۔ اِس تعداد میں نہ کم سِن

لڑکے شامل تھے، نہ بچے، نہ بوڑھے، نہ کمزور اور نہ ہی عورتیں۔ غالباً وہ بیس لاکھ سے کہیں زیادہ لوگوں کی ذِمے داری اُٹھائے ہوئے تھا۔ موسیٰ کو کوئی راستہ دِکھائی نہیں دے رہا تھا کہ خدا کس طرح اپنے اِس وعدہ کو پورا کرے گا کہ وہ اِتنے بڑے ہجوم کو ایک مہینے تک کھانے کے لئے گوشت فراہم کرے گا۔

مجھے خدا کا جواب بہت پسند ہے: "خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ کیا خداوند کا ہاتھ چھوٹا ہو گیا؟ اب تُو دیکھ لے گا کہ جو کچھ مَیں نے تجھ سے کہا وہ پورا ہوتا ہے یا نہیں" (آیت ۲۳)۔ بنیادی طور پر خدا نے موسیٰ سے پوچھا: "کیا مَیں خدا ہوں یا مَیں خدا نہیں ہوں؟"۔ پھر اُس نے موسیٰ کو یہ چیلنج دیا کہ وہ بس دیکھے اور دیکھتا رہے کہ وہ کیا کرے گا۔ یہ سُن کر موسیٰ نے مزید کچھ نہ کہا۔ پس اُس نے صرف وہی کیا جو خدا نے اُسے حکم دیا تھا۔ "تب موسیٰ نے باہر جا کر خداوند کی باتیں اُن لوگوں کو جا سُنائیں اور قوم کے بزرگوں میں سے ستر آدمی اِکٹھے کر کے اُن کو خیمہ اِجتماع کے گرداگرد کھڑا کر دیا۔ تب خداوند اَبر میں ہو کر نکلا اور اُس نے موسیٰ سے باتیں کیں اور اُس رُوح میں سے جو اُس میں تھی لے کر اُن ستر بزرگوں میں ڈالا۔ چناں چہ جب رُوح اُن میں آئی تو وہ نبوت کرنے لگے لیکن پھر بعد میں کبھی نہیں کی" (آیت ۲۴-۲۵)۔

جب ہم اِس اہم واقعہ کی جانچ کرنا شروع کرتے ہیں تو یہ نہایت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے کہ ہم اُس پہلے واقعہ کو بھی پیشِ نظر رکھیں جو خروج ۱۸ میں درج ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب خدا بنی اِسرائیل کے لوگوں کو مصر سے نکال لایا تو موسیٰ کا سُسر یترو جو مدیان کا کاہن تھا، سینا کے بیابان میں اِسرائیلی لشکر گاہ میں اُس سے ملنے کو آیا۔ اپنی اِس ملاقات کے دوران یترو نے دیکھا

کہ موسیٰ صبح سے شام تک لوگوں کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے بیٹھا رہتا تھا(آیت ۱-۱۳)۔ پھر ہم پڑھتے ہیں:

"اور جب مُوسیٰ کے سُسر نے سب کچھ جو وہ لوگوں کے لئے کرتا تھا دیکھ لیا تو اُس سے کہا یہ کیا کام ہے جو تُو لوگوں کے لئے کرتا ہے ؟ تُو کیوں آپ اکیلا بیٹھتا ہے اور سب لوگ صُبح سے شام تک تیرے آس پاس کھڑے رہتے ہیں۔ مُوسیٰ نے اپنے سُسر سے کہا اِس کا سبب یہ ہے کہ لوگ میرے پاس خُدا سے دریافت کرنے کے لئے آتے ہیں۔ جب اُن میں کُچھ جھگڑا ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں اور مَیں اُن کے درمیان اِنصاف کرتا اور خُدا کے احکام اور شریعت اُن کو بتاتا ہُوں۔ تب مُوسیٰ کے سُسر نے اُس سے کہا کہ تو اچھا کام نہیں کرتا۔ اِس سے تُو بلکہ یہ لوگ بھی جو تیرے ساتھ ہیں قطعی گُھل جائیں گے کیوں کہ یہ کام تیرے لئے بہت بھاری ہے۔ تُو اکیلا اِسے نہیں کر سکتا۔ سو اب تُو میری بات سُن۔ مَیں تجھے صلاح دیتا ہوں اور خُدا تیرے ساتھ رہے۔ تُو اِن لوگوں کے لئے خُدا کے سامنے جایا کر اور اِن کے سب معاملے خُدا کے پاس پہنچا دِیا کر ۔ اور تُو رسُوم اور شریعت کی باتیں اِن کو سِکھایا کر اور جس راستہ اِن کو چلنا اور ہر کام اِن کو کرنا ہو وہ اِن کو بتایا کر۔ اور تُو اِن لوگوں میں سے ایسے لائق اَشخاص چُن لے جو خُدا ترس اور سچے اور رِشوت کے دُشمن ہوں اور اُن کو ہزار ہزار اور سو سو اور پچاس پچاس اور دس دس آدمیوں پر حاکم بنا دے کہ وہ ہر وقت لوگوں کا اِنصاف کیا کریں اور اَیسا ہو کر بڑے بڑے مقدّمے تو وہ تیرے پاس لائیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا فیصلہ خُود ہی کر دِیا کریں۔ یُوں تیرا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور وہ بھی اُس کے اُٹھانے میں تیرے شریک ہوں گے ۔ اگر تُو یہ کام کرے اور خُدا بھی تجھے ایسا ہی حکم دے تو تُو سب کچھ جھیل سکے گا اور یہ لوگ بھی اپنی جگہ اِطمینان سے جائیں گے ۔ اور مُوسیٰ نے اپنے سُسر

کی بات مان کر جیسا اُس نے بتایا تھا ویسا ہی کیا۔ چُناں چہ مُوسیٰ نے سب اِسرائیلیوں میں سے لائق اَشخاص چُنے اور اُن کو ہزار ہزار اور سو سو اور پچاس پچاس اور دس دس آدمیوں کے اُوپر حاکم مُقرر کیا۔ سو یہی ہر وقت لوگوں کا اِنصاف کرنے لگے۔ مشکل مقدّمات تو وہ موسیٰ کے پاس لے آتے تھے پر چھوٹی چھوٹی باتوں کا فیصلہ خُود ہی کر دیتے تھے" (خروج ۱۸: ۱۴-۲۶)۔

موسیٰ نے یترو کا مشورہ قبول کیا اور آدمیوں کو مقرر کیا کہ وہ اُس کے ماتحت منصف کے طور پر خدمت اَنجام دیں، جبکہ وہ خود "منصفِ اعلیٰ" کے طور پر کام کرتا رہا اور نہایت مشکل مقدّمات کی سماعت کرتا رہا۔

گنتی کے بیان میں خدا نے اِسی نوعیت کا کام کیا۔ "خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ بنی اِسرائیل کے بزرگوں میں سے ستر مرد جن کو تُو جانتا ہے کہ قوم کے بزُرگ اور اُن کے سردار ہیں میرے حضور جمع کر اور اُن کو خیمہ اِجتماع کے پاس لے آ تاکہ وہ میرے ساتھ وہاں کھڑے ہوں" (گنتی ۱۱: ۱۶)۔ خدا یہ کہہ رہا تھا: مَیں تم پر سے قیادت کا بوجھ ہلکا کر دُوں گا۔ مَیں تمہیں ایک نہیں بلکہ ستر مددگار دُوں گا"۔ جب وہ جمع ہوئے تو خدا نے اُس رُوح میں سے جو موسیٰ پر تھا لے کر اُن ستر بزرگوں میں ڈالا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب خیمہ اِجتماع میں صرف ایک مسح شدہ قائد نہ رہا بلکہ اُن کی تعداد اِکہتر ہو گئی۔

موسیٰ کو رُوح القدس کے وسیلے سے مسح کیا گیا تھا تاکہ وہ پرانے عہد کے درمیانی کے طور پر خدمت اَنجام دے۔ اب خدا نے مزید ستر آدمیوں کو بھی مسح کیا تاکہ وہ اِس کام میں شریک ہوں۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ اُس نے اُنہیں کوئی الگ نوعیت کا مسح عطا نہیں کیا، بلکہ اُسی رُوح میں سے جو موسیٰ پر تھا لے کر اُسے اُن ستر بزرگوں میں تقسیم کر دیا۔ جب اُس نے ایسا

کیا تو وہ سب ایک منفرد انداز میں نبوت کرنے لگے، ایسا انداز جس میں اُنہوں نے نہ پہلے کبھی نبوت کی تھی اور نہ بعد میں کبھی کی۔ یہ بیرونی اِظہار اِس حقیقت کی نشان دِہی کرتا تھا کہ اُنہیں رُوح القدس کی طرف سے قوت بخشی گئی تھی۔

گویا ایک حاشیے کے طور پر ہم پھر پڑھتے ہیں: "پر اِن میں سے دو شخص لشکر گاہ میں ہی رہ گئے۔ ایک کا نام اِلداد اور دُوسرے کا نام میداد تھا۔ اُن میں بھی رُوح آئی یہ بھی اُن ہی میں سے تھے جن کے نام لکھ لیے گئے تھے پر یہ خیمہ کے پاس نہ گئے اور لشکر گاہ ہی میں نبوت کرنے لگے۔ تب کسی جوان نے دوڑ کر موسیٰ کو خبر کی کہ اِلداد اور میداد لشکر گاہ میں نبوت کر رہے ہیں" (آیت ۲۶-۲۷)۔ یہ ایک نہایت چونکا دینے والی بات تھی۔ لوگ ابھی تک یہ نہیں جانتے تھے کہ خدا نے رُوح القدس کو موسیٰ کی ذات سے آگے بڑھا کر اُن ستر بزرگوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب اُنہوں نے اِلداد اور میداد کو نبوت کرتے دیکھا تو وہ خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں یہ کسی جھوٹے نبی کی علامت نہ ہو۔ پس وہ دوڑ کر موسیٰ کو اِس بات کی خبر دینے لگے۔

جب یہ خبر موسیٰ تک پہنچی تو اُس کا خادِم، یشوع بن نون شدید پریشانی میں مبتلا ہو گیا: "سو نون کے بیٹے یشوع نے جو اُس کے چنے ہوئے نوجوانوں میں سے تھا موسیٰ سے کہا کہ اَے میرے مالک موسیٰ تُو اِن کو روک دے" (آیت ۲۸)۔ یشوع نے یہ درخواست کیوں کی؟ کیا وہ نبوت کے خلاف تھا؟ کیا وہ رُوح القدس کی قدرت کے خلاف تھا؟ نہیں، یشوع کو صرف یہ فکر لاحق تھی کہ یہ بات موسیٰ کی قیادت کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ اُس نے اِسے پرانے عہد نامے کی کلیسیا میں قائم شُدہ اِختیار کے خلاف بغاوت کی ایک کوشش سمجھا۔

رُوح القدس کے کام کو سمجھنے کے لئے موسیٰ کا جواب نہایت اہم ہے۔ ہم پڑھتے ہیں: ” موسیٰ نے اُس سے کہا تجھے میری خاطر رشک آتا ہے ؟ کاش خداوند کے سب لوگ نبی ہوتے اور خداوند اپنی رُوح اُن سب میں ڈالتا “(آیت ۲۹)۔ جہاں یشوع نے رُوح القدس کے مسح کے پھیلاؤ پر، جو خدا کے لوگوں کو خدمت کے لئے قوت دینے کے لئے تھا، اِعتراض کیا، وہاں موسیٰ نے اُس کو خوشی سے قبول کیا۔ بلکہ اُس نے یہ آرزُو بھی ظاہر کی کہ کاش خداوند کے سب لوگ نبی ہوتے اور خداوند اپنی رُوح اُن سب میں ڈالتا۔

قدیم اِسرائیل میں، موسیٰ کے زمانہ میں، یہ خیال کہ رُوح ہر اِیمان دار پر ٹھہرے گا محض موسیٰ کے لبوں پر ایک اُمید یا دُعا تھا۔ لیکن بعد میں یہی اُمید ایک نبوت بن گئی۔ یوایل نبی نے لکھا: ” اور اِس کے بعد مَیں ہر فردِ بشر پر اپنی رُوح نازل کروُں گا اور تمہارے بیٹے بیٹیاں نبوت کریں گے۔ تمہارے بوڑھے خواب اور جوان رُؤیا دیکھیں گے۔ بلکہ مَیں اُن اَیّام میں غُلاموں اور لونڈیوں پر اپنی رُوح نازل کرُوں گا “(یوایل ۲:۲۸-۲۹)۔ رُوح کی اِلہامی تحریر کے تحت، یوایل نے کہا کہ آخری اَیّام میں خدا اپنی رُوح ہر ” فردِ بشر “ پر نازل کرے گا، یعنی خدا کے تمام لوگوں پر۔ خدمت کے لئے رُوح القدس کی طرف سے قوت عطا ہونا، نہ تو چند مخصوص اَفراد تک محدود رہے گا اور نہ کسی چھوٹے سے گروہ تک، بلکہ خدا کی رفاقت میں شامل ہر ایک شخص کو یہ قوت بخشی جائے گی۔

دُعا اور نبوت کی تکمیل

جو بات موسیٰ کے لئے ایک دُعا اور یوایل کے لئے ایک نبوت تھی، وہ پنتکُست کے دِن ایک تارِیخی حقیقت بن گئی، جب خدا نے اُس رُوح میں سے جو نئے عہد کے درمیانی یسوع مسیح پر تھا، لے کر اُسے ستر تک محدود نہ رکھا بلکہ تمام اِیمان داروں میں تقسیم کر دیا۔

یسوع مسیح نے شاگردوں کو بتایا تھا کہ ایسا ہو گا۔ اَعمال کی کتاب میں لوقا بیان کرتا ہے: "اور اُن سے مِل کر اُن کو حکم دِیا کہ یروشلیم سے باہِر نہ جاؤ بلکہ باپ کے اُس وعدہ کے پُورا ہونے کے مُنتظِر رہو جِس کا ذِکر تم مجھ سے سُن چُکے ہو۔ کیوں کہ یُوحنّا نے تو پانی سے بپتِسمہ دِیا مگر تم تھوڑے دِنوں کے بعد رُوح اُلقدس سے بپتِسمہ پاؤ گے" (اَعمال ۱:۴-۵)۔ اپنے باپ کے پاس صعود فرمانے سے پہلے یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں کو آخری ہدایات میں سے ایک ہدایت یہ کی تھی کہ وہ کچھ وقت کے لئے یروشلیم میں ٹھہرے رہیں تاکہ وہ اُس وعدے کی تکمیل کو پائیں جو باپ نے اُن کے ساتھ کیا تھا۔ دراصل وہ یوایل کی نبوت کے مطابق رُوح القدس کے بپتسمہ کے وعدہ کی طرف اِشارہ کر رہا تھا۔ اُس نے اُنہیں بتایا کہ یہ بہت جلد واقع ہو گا۔

لوقا اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے: "پس اُنہوں نے جمع ہو کر اُس سے یہ پُوچھا کہ اَے خُداوند۔ کیا تُو اِسی وقت اِسرائیل کو بادشاہی پھِر عطا کرے گا؟۔ اُس نے اُن سے کہا اُن وقتوں اور مِیعادوں کا جاننا جِنہیں باپ نے اپنے ہی اِختیّار میں رکھّا ہے تمہارا کام نہیں۔ لیکِن جب رُوح اُلقدس تم پر نازِل ہو گا تو تُم قُوّت پاؤ گے اور یروشلیم اور تمام یہُودیہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کی اِنتہا تک میرے گواہ ہو گے" (اعمال ۱:۶-۸)۔ یہاں یسوع مسیح نے رُوح کے بپتسمہ کو اپنے گواہ ہونے کے لئے قوت کے ساتھ مربوط کیا۔

جن تمام حوالہ جات پر ہم نے غور کیا ہے، گنتی ۱۱، یوایل ۲، اور خاص طور پر یہاں اعمال ۱ میں، رُوح القدس کے مسح کو ایک خاص طرح کی نعمت، یعنی خدا کی طرف سے عطا کی گئی بخشش کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ اِس قسم کی بخشش کے لئے یونانی لفظ "Charisma" اِستعمال ہوا ہے۔ پس، وہ نعمتیں جو رُوح القدس عطا کرتا ہے "Charismatic" یا "Charisma" کہلاتی ہیں۔ رُوح القدس یہ نعمتیں مسیح کی کلیسیا کو اِس لئے عطا کرتا ہے تاکہ خدا کے لوگوں کو اُس خدمت کے اَنجام دینے کے لئے قوت بخشی جائے جو مسیح نے اپنے لوگوں کو سونپی ہے، یعنی زمین کی اِنتہا تک اُس کی گواہی دینا۔

چناں چہ یہ ایک وعدہ تھا جو پِنتِکُست کے دِن شاگردوں پر رُوح القدس کے نزول سے پورا ہوا:

"جب عِید پِنتِکُست کا دِن آیا تو وہ سب ایک جگہ جمع تھے۔ کہ یکایک آسمان سے ایسی آواز آئی جیسے زور کی آندھی کا سنّاٹا ہوتا ہے اور اُس سے سارا گھر جہاں وہ بیٹھے تھے گُونج گیا۔ اور اُنہیں آگ کے شُعلہ کی سی پھٹتی ہُوئی زبانیں دِکھائی دِیں اور اُن میں سے ہر ایک پر آ ٹھہریں۔ اور وہ سب رُوحُ اُلقدس سے بھر گئے اور غَیر زبانیں بولنے لگے جِس طرح رُوح نے اُنہیں بولنے کی طاقت بخشی۔ اور ہر قَوم میں سے جو آسمان کے تلے ہے خُدا ترس یہُودی یروشلیم میں رہتے تھے ۔جب یہ آواز آئی تو بِھیڑ لگ گئی اور لوگ دَنگ ہو گئے کیوں کہ ہر ایک کو یہی سُنائی دیتا تھا کہ یہ میری ہی بولی بول رہے ہیں۔ اور سب حیران اور متعّجب ہو کر کہنے لگے دیکھو۔ یہ بولنے والے کیا سب گلیلی نہیں؟۔ پِھر کیونکر ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے وطن کی بولی سُنتا ہے؟۔ حالانکہ ہم پارتھی اور مادی اور عیلامی اور مسوپتامِیہ اور یہُودیہ اور کپدکیہ اور پُنطُس اور آسِیہ۔ اور فرُوگیہ اور

پمفیلیہ اور مِصر اور لِبو آ کے عِلاقہ کے رہنے والے ہیں جو کرینے کی طرف ہے اور رُومی مُسافِر خواہ یہُودی خواہ اُن کے مُرید اور کریتی اور عرب ہیں۔ مگر اپنی اپنی زبان میں اُن سے خُدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان سُنتے ہیں"(اعمال ۲:۱-۱۱)۔

پنتِکُست ایک سالانہ عید تھی جو یروشلیم میں منائی جاتی تھی۔ دُنیا کے مختلف حصوں سے یہودی زائرین پنتِکُست کی عید کے لئے یروشلیم آتے تھے۔ چناں چہ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے یہودیوں کا ایک بڑا مجمع وہاں جمع ہوتا تھا۔ لیکن اُس عید میں ایک فوق الفطرت واقعہ نے مداخلت کی جس کی نمایاں علامت رُوح القدس کا واضح ظہور تھا، شعلہ کی سی پھٹتی ہوئی زبانیں شاگردوں پر آ ٹھہریں اور ایک قابلِ سماعت ظہور بھی تھا، شاگرد اُن سب لوگوں کی زبانوں میں جو وہاں موجود تھے "خدا کے عظیم کاموں" کا بیان کرنے لگے۔

اُس مسح کے بعد جو رُوح کی طرف سے ہوا، شاگرد مکمل طور پر تبدیل ہو چکے تھے۔ وہ یہ منادی کرنے لگے کہ یسوع ہی مسیح اور نجات دِہندہ ہے، اور وہ قتل کی دھمکیوں کے باوجود بھی خاموش نہ کرائے جاسکے۔ جلد ہی وہ خوش خبری کا پیغام ہر جگہ لے جانے لگے، جیسا کہ یسوع مسیح نے اُنہیں حکم دیا تھا اور کچھ ہی عرصے کے بعد اُن کے بارے میں کہا جانے لگا کہ "اُنہوں نے جہان کو باغی کر دیا ہے"(اعمال ۱۷:۶)۔ یہی وہ رُوح کا مسح ہے جو نئے عہد کے تحت ہر اُس شخص کو عطا کیا جاتا ہے جو یسوع مسیح پر اِیمان لاتا ہے۔

سولھویں صدی کی اِصلاحِ کلیسیا کے بانی اور جرمن مفکر مارٹن لوتھر نے "تمام اِیمان داروں کی کہانت" کے بارے میں بات کی۔ بعض لوگ اِس کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ کلیسیا میں خدام اور عام اِیمان داروں کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے، لیکن لوتھر کا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ

یہ بیان کر رہا تھا کہ خدا کی بادشاہی کا کام صرف اُن لوگوں کے سپرد نہیں کیا گیا جنہیں منادی کرنے والے، اُستاد، خادِم یا بزرگ کے منصب دیئے گئے ہیں، بلکہ ہر مسیحی کو مسیح اور کلیسیا کی خدمت میں شریک ہونے کے لئے بلایا گیا ہے۔ یہ بات خوف زدہ کرنے والی ہو سکتی ہے، لیکن اِس بلاہٹ کے ساتھ رُوح القدس کی نعمت بھی ہوتی ہے جو مسیح کے تمام لوگوں کو مسح کرتا اور اُنہیں اُس کی خدمت کے لئے قوت بخشتا ہے۔

چھٹا باب

نور بخشنے والا

اپنے تعلیمی پیشے کے پہلے سال میں، مَیں مغربی پنسلوانیا(Pennsylvania) کے ایک کالج میں پڑھا رہا تھا۔ بہار کے سمسٹر میں ایک طالبہ نے ایک ذاتی مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے مجھ سے وقت لیا۔ وہ خاصی پریشان تھی کیوں کہ وہ اُس کیفیت سے گزر رہی تھی جسے بعض اوقات ”آخری سال کی بے چینی“ کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے آخری سال کے آخری سمسٹر میں تھی، لیکن نہ اُس کی شادی ہوئی تھی، نہ وہ کسی کے ساتھ تعلق میں تھی اور نہ ہی اُس وقت کسی مرد کے ساتھ رِشتہ قائم ہونے کے کوئی آثار تھے۔ وہ ایک دِین دار اور سنجیدہ مسیحی تھی، اِس لئے وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا اُس کے لئے یہ دُعا کرنا غلط ہو گا کہ اُسے ایک شریکِ حیات ملے۔ مَیں نے اُسے بتایا کہ اِس بات میں کوئی قباحت نہیں کہ وہ خدا سے دُعا کرے کہ وہ اُسے ایک شوہر عطا کرے، اور مَیں نے اُسے اِس کی ترغیب بھی دی۔

تقریباً دو ہفتے بعد وہ دوبارہ مجھ سے ملنے آئی اور اِس بار وہ خوشی اور مسرت سے بھری ہوئی تھی۔ اُس نے کہا: ”مَیں دو ہفتوں سے دُعا کر رہی تھی کہ خدا مجھے ایک شوہر عطا کرے، اور اُس نے میری دُعائیں سُن لی ہیں“۔ مَیں نے کہا: ”کیا تمہاری کسی سے ملاقات ہو گئی ہے؟“ اُس نے کہا ”نہیں، ابھی تک میری اُس سے ملاقات نہیں ہوئی، لیکن مَیں جانتی ہوں کہ بہت جلد ہو جائے گی“۔ دیکھئے! کل رات مَیں نے قرعہ نکالا تھا۔ اب مَیں نے اِس طرح کے ”قرعہ نکالنے“ کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا تھا، اِس لئے مَیں نے اُس سے پوچھا کہ اِس کا کیا مطلب ہے؟۔

اُس نے کہا "مَیں دُعا کر رہی تھی اور مَیں نے بائبل مقدّس کو اپنے سامنے رکھا اور مَیں نے خدا سے پوچھا کہ کیا وہ مجھے ایک شوہر عطا کرے گا"۔ پھر مَیں نے اپنی آنکھیں بند کیں، بائبل مقدّس کو یوں ہی کھولا اور ایک صفحے پر اپنی اُنگلی رکھ دی، جب مَیں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو میری اُنگلی زکریاہ ۹:۹ پر تھی، جس میں لکھا ہے: "اِے بِنْتِ صیون تُو نہایت شادمان ہو۔ اَے دُخترِ یروشلیم خُوب للکار کیوں کہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ صادِق ہے اور نجات اُس کے ہاتھ میں ہے وہ حلیم ہے اور گدھے پر بلکہ جوان گدھے پر سوار ہے"۔

یہ "رُوحانی تشریح" کی ایک مثال تھی، جو حقیقت میں قرعہ نکالنے ہی کا دُوسرا نام ہے۔ اِس کا تعلق بائبل مقدّس کی ایسی تشریح سے ہے جو کسی نہ کسی رُوحانی طریقِ کار کے ذریعے کی جاتی ہے۔ یہ محض جادُو یا توہم پرستی کی سرحد تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اُس سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ میری یہ عزیز طالبہ کتابِ مقدّس کی ایسی تشریح میں مصروف ہو گئی تھی جو حقیقت میں رُوح القدس کے خلاف ایک گستاخی ہے۔ بائبل مقدّس کو ایک جادُوئی تعویذ بنا دینا ہرگز اُس مقصد کے مطابق نہیں جو رُوح نے اِلہامی تحریر میں اِختیار کیا تھا۔

رُوح کس طرح کلام کو اِستعمال کرتا ہے

اوگسطین، جو پہلی صدیوں کے زمانہ کا عظیم ماہرِ اِلٰہیات تھا، اُس کی زِندگی میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ اپنے تبدّل سے پہلے، اوگسطین نے ایک بے لگام، بے قابو اور عیش و عشرت میں ڈُوبی ہوئی زِندگی گزارنے کی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اُس کی دِین دار ماں، مونیکا، ایک طوِیل عرصے تک دِلجمعی کے ساتھ یہ دُعا کرتی رہی کہ اُس کا بیٹا مسیح کے پاس آئے۔ جیسا کہ اوگسطین اپنی یاد داشت پر مبنی تصنیف "Confessions" میں بیان کرتا ہے کہ وہ ایک باغ میں

بیٹھا غور و فکر کر رہا تھا اور اپنے زمانے کے مختلف فلسفیانہ نظاموں کے بارے میں اپنی اُلجھن کے درمیان سچائی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ قریب ہی کچھ بچے کھیل رہے تھے اور اوگسطین اُنہیں ایک عجیب سی تکرار کرتے ہوئے سن سکتا تھا: ''ٹولے لیگے، ٹولے لیگے'' (Tolle lege, tolle lege) جس کا مطلب ہے ''اُٹھا اور پڑھ، اُٹھا اور پڑھ''۔ اوگسطین کو کتابِ مقدّس کا ایک نسخہ ملا اور اُس نے وہیں سے پڑھنا شروع کیا جہاں سے صفحات کھلے ہوئے تھے۔ اُس کے سامنے رومیوں کا خط کھلا ہوا تھا جہاں پولُس بیان کرتا ہے: ''جیسا دِن کو دستُور ہے شایستگی سے چلیں نہ کہ ناچ رنگ اور نشہ بازی سے۔ نہ زِناکاری اور شہوت پرستی سے اور نہ جھگڑے اور حسد سے۔ بلکہ خُداوند یسوع مسیح کو پہن لو اور جِسم کی خواہشوں کے لِئے تدبِیریں نہ کرو'' (رومیوں ۱۳:۱۳-۱۴)۔ جب اوگسطین کی نظر اُس عبارت پر پڑی تو وہ گناہ کے احساس سے مغلوب اور خدا کی سچائی کے لئے بیدار ہو گیا۔ اُسی لمحے وہ رُوح القدس کے وسیلے سے نئے سرے سے پیدا ہوا۔

اوگسطین کے تجربے اور میری اُس طالبہ کے تجربے میں کیا فرق تھا؟ اوگسطین نے کسی جادُوئی طریقے کے ذریعے خدا کی مرضی کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اُس نے بس کتابِ مقدّس کو اُٹھایا اور اِتفاقاً ایک خاص مقام سے پڑھنا شروع کیا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ خدا نے اُس عبارت کو، جسے اوگسطین نے پڑھا، ایسا کوئی مفہوم نہیں دیا جو پولُس کو لکھنے کے لئے اِلہام دیتے وقت رُوح القدس کے اِرادے میں شامل نہ تھا۔ بلکہ رُوح نے اوگسطین کو اُس عبارت کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کے قابل بنایا۔ اِس میں کوئی جادو نہ تھا۔

مَیں ۱۹۵۷ء کی ایک شام کالج کے ہاسٹل میں ہونے والی ایک گفتگو کے دوران مسیح کی طرف مائل ہوا۔ ایک ہم جماعت جو مسیحی تھا، وہ مجھ سے خدا کی باتوں کے بارے میں گفتگو کر رہا

تھا اور بائبل مقدّس میں سے طرح طرح کی باتیں بیان کر رہا تھا۔ اُس کی زیادہ تر باتیں میرے سر کے اُوپر سے گزر گئیں اور مجھے یاد بھی نہیں کہ اُس نے کیا کہا تھا۔ لیکن جب اُس نے خدا کی حکمت کے بارے میں بات کرنا شروع کی تو اُس نے اپنی بائبل مقدّس میں سے واعظ کی کتاب کو کھولا اور چند آیات پڑھیں جن میں یہ آیت بھی شامل تھی: "اگر درخت جنوب کی طرف یا شمال کی طرف گرے تو جہاں درخت گرتا ہے وہیں پڑا رہتا ہے" (واعظ ۱۱:۳)۔ جب مَیں نے یہ اَلفاظ سُنے تو اچانک میرے ذہن پر یہ خیال پوری طرح غالب آ گیا کہ مَیں خود ایک ایسے درخت کی مانند ہوں جو گر چکا ہے اور جنگل میں بے جان، ساکن اور سڑتا ہوا پڑا ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ میری رُوحانی حالت بھی بالکل ویسی ہی ہے، مَیں ایک گرا ہوا درخت تھا اور مَیں ہمیشہ وہیں پڑا رہتا، اگر خدا کچھ نہ کرتا۔ یہ اُس عبارت کا غلط اِطلاق نہیں تھا۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا رُوح القدس نے اُسی عبارت کو اِستعمال کیا تا کہ مجھے نجات بخش اِیمان کے لئے بیدار کرے۔

یہ وہ چند مثالیں ہیں جنہیں ہم اِلٰہی تنویر کہتے ہیں اور یہ رُوح القدس کے ایک اَور نہایت اہم کام کی طرف اِشارہ کرتی ہیں۔ ہمیں رُوح کی تنویر اور اُس کے نہایت اہم کام، یعنی مکاشفہ، کے درمیان فرق کرنا چاہئے۔ رُوح القدس نے بائبل مقدّس کے مکاشفہ کو اِلہام بخشا، یعنی خدا کی وہ سچائی جو بائبل مقدّس میں ہمارے لئے ظاہر اور آشکار کی گئی ہے۔ یہ وہ معلومات ہے جو آخر کار خود خدا کے ذہن سے ہمارے پاس آتی ہے۔ اِس کے برعکس، تنویر کوئی نئی معلومات فراہم نہیں کرتی بلکہ اُس معلومات پر ہی قائم ہوتی ہے جو رُوح پہلے ہی کتابِ مقدّس میں بیان کر چکا ہے۔ جب رُوح نے اُس بچگانہ تکرار کو اِستعمال کیا تا کہ اوگسطین کو رومیوں کے خط کو پڑھنے کی طرف اُبھارے تو اُس لمحے اُس نے اوگسطین کے لئے کوئی نئی معلومات فراہم نہیں کی تھی، بلکہ

اُس نے صرف اوگسطین کو ہدایت دی کہ وہ کتابِ مقدّس کے اُس حصے کو پڑھے جو سب کے لئے وہاں موجود تھا۔ لیکن ہزاروں ہزار لوگوں نے اُس عبارت کو پڑھا اور اپنے آپ کو اُس میں پہچان نہ سکے، کیوں کہ وہ اُس کے مفہوم اور قدرت سے لاعلم رہے۔ لیکن اوگسطین نے رُوح کی تنویر کا تجربہ کیا۔ دُوسرے لفظوں میں، رُوح نے اوگسطین میں کام کیا تاکہ وہ اُن اَلفاظ میں خدا کی سچائی کو سمجھ سکے جو اُس نے پڑھے تھے۔

خدا کی تہہ کی باتوں کی دریافت

مسیحیوں کا شمار اُن لوگوں میں ہونا چاہئے جو تنویر سے منور کئے گئے ہیں، یعنی وہ جنہیں روشن کیا گیا ہے، نہ کہ کسی ہمالیہ کے گُرو کے وسیلے سے، بلکہ رُوح القدس کے ذریعے جو خدا کے کلام کے نُور کو اِستعمال کرتا ہے۔ ہم اِسے پولُس رسُول کے کرنتھیوں کے نام پہلے خط میں واضح طور پر دیکھتے ہیں، جہاں ہم پڑھتے ہیں:

"پھِر بھی کامِلوں میں ہم حِکمت کی باتیں کہتے ہیں لیکِن اِس جہان کی اور اِس جہان کے نیست ہونے والے سرداروں کی حِکمت نہیں۔ بلکہ ہم خُدا کی وہ پوشِیدہ حِکمت بھید کے طور پر بیان کرتے ہیں جو خُدا نے جہان کے شروع سے پیشتر ہمارے جلال کے واسطے مُقرّر کی تھی۔ جِسے اِس جہان کے سرداروں میں سے کِسی نے نہ سمجھا کیوں کہ اگر سمجھتے تو جلال کے خُداوند کو مصلُوب نہ کرتے۔ بلکہ جَیسا لِکھا ہے وَیسا ہی ہُوا کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں نہ آدمی کے دِل میں آئیں۔ وہ سب خُدا نے اپنے محبّت رکھنے والوں کے لِئے تیّار کر دِیں۔ لیکِن ہم پر خُدا نے اُن کو رُوح کے وسیلہ سے ظاہِر کِیا کیوں کہ رُوح سب باتوں بلکہ خُدا کی تہہ کی باتیں بھی دریافت کر لیتا ہے" (۱۔کرنتھیوں ۲:۶-۱۰)۔

جب پولُس رسُول یہ کہتا ہے کہ "رُوح سب باتوں بلکہ خُدا کی تہہ کی باتیں بھی دریافت کرلیتا ہے "تو اُس سے اُس کی کیا مراد ہے؟ جب ہم لفظ "تلاش" کا اِستعمال کرتے ہیں تو عموماً ہم اُس عمل کی طرف اِشارہ کرتے ہیں جس میں ہم کسی ایسی چیز کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں جسے ہم پانا یا دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مَیں علم کی جستجو میں ہوں، یعنی علم کی تلاش میں ہوں، تو مَیں اُس چیز کو سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہوں جسے مَیں فی الحال نہیں جانتا۔ پس جب پولُس یہ کہتا ہے کہ رُوح خدا کی تہہ کی باتوں کو دریافت کرلیتا ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تثلیث کا تیسرا اقنوم کسی ایسے علم کی تلاش میں ہے جو اُس کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جنہیں رُوح القدس نہیں جانتا اور اُسے سیکھنے کی ضرورت ہے تو ہمارا عقیدۂ تثلیث ہی منہدم ہو جاتا ہے۔ رُوح میں اِس طرح کے علم کی کمی اُس کی اُلوہیت کا اِنکار ٹھہرے گی جو اُلُوہیت کے اَقانیم میں سے ایک ہے۔ پس ہمیں اِس سوال کو دُوسرے رُخ سے دیکھنا چاہیے، اور کتابِ مقدّس کی باقی تعلیم کے مطابق یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ اُلُوہیت کا حصہ ہے اور اِس لئے ہمہ دان ہے۔ چناں چہ وہ خدا کی تہہ کی باتوں کو اپنے علم میں اِضافے کی غرض سے دریافت نہیں کرتا۔

اِس کے برعکس، پولُس رسُول یہاں ہمیں بتاتا ہے کہ رُوح القدس ہمارے لئے خدا کی تہہ کی باتوں کو دریافت کرتا ہے۔ رُوح ایک منور کرنے والی روشنی کی مانند کام کرتا ہے اور جب ہم کتابِ مقدّس کو پڑھتے ہیں تو وہ اُس کے متن پر روشنی ڈالتا اور ہمیں اُس کے مفہوم کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو ہم خدا کی سچائی کو نہایت شِدّت اور وضاحت کے ساتھ دیکھنے لگتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک جو مسیحی ہے اپنی زِندگی میں کبھی نہ کبھی اِس تجربے سے گزرا

ہے۔ ہم کتابِ مقدّس کو پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اچانک کوئی خاص سچائی یوں محسوس ہوتی ہے جیسے صفحات سے اُچھل کر ہماری رُوح میں پیوست ہو گئی ہو۔ یہ تنویر میں رُوح القدس کا کام ہے۔

۱۷۳۴ء میں نارتھمپٹن(Northampton) میساچوسٹس(Massachusetts) میں ایک وعظ کیا گیا، جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ یہ اُن اہم ترین وعظوں میں سے ایک تھا جو موجودہ اَمریکہ کی سرزمین پر کبھی کئے گئے تھے۔ جس شخص نے یہ وعظ کیا، جوناتھن ایڈورڈز، وہ ایک دُوسرے وعظ کے باعث زیادہ معروف ہے ”گنہگار ایک غضب ناک خدا کے ہاتھوں میں“ جو اُس نے ۱۷۴۱ میں اِینفیلڈ(Enfield) کنیکٹیکٹ(Connecticut) میں پیش کیا تھا۔ اَمریکی اَدب کے بہت سے مجموعوں میں ”گنہگار ایک غضب ناک خدا کے ہاتھوں میں“ کو نو آبادیاتی نئے اِنگلستان کے اَدب کی نمائندہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ اِبتدائی وعظ جسے مَیں نہایت اہم سمجھتا ہوں، اُس کا عنوان یہ تھا: ”ایک اِلٰہی اور فوق الفطرت نُور جو خدا کے رُوح کے وسیلے سے براہِ راست رُوح میں عطا کیا جاتا ہے، اور جسے کتابِ مقدّس کے مطابق اور عقلی تعلیم کے طور پر ثابت کیا گیا ہے“۔ یہ وعظ نہ تو زیادہ معروف ہے اور نہ ہی وسیع طور پر پھیلایا گیا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اگر کوئی وعظ ایڈورڈز کی غیر معمولی صلاحیت کو نمایاں کرتا ہے تو وہ یہی وعظ ہے۔ اِس وعظ میں ایڈورڈز فوق الفطرت تنویر کے بارے میں بیان کر رہا تھا۔

ایڈورڈز اِس رُوحانی نور کی تعریف کرتے ہوئے یوں بیان کرتا ہے:

”اور اِسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے: خدا کے کلام میں ظاہر کی گئی باتوں کی اِلٰہی عظمت کا ایک حقیقی احساس، اور اُن کی سچائی اور حقیقت کا ایسا یقین جو صرف اُسی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ رُوحانی نُور بنیادی طور پر اِسی پہلی بات پر مشتمل ہوتا ہے، یعنی خدا کے کلام میں ظاہر کی گئی باتوں کی

اِلٰہی عظمت کا ایک حقیقی احساس اور اِدراک۔اِن باتوں کی سچائی اور حقیقت کا ایک رُوحانی اور نجات بخش یقین اُن کی اِلٰہی عظمت اور جلال کے ایسے ہی مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے، یوں اُن کی سچائی کا یہ یقین اُن کے اِلٰہی جلال کے اِس مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے"۔[1]

ایڈورڈز کے مطابق رُوح کی تنویر کے کام کا بنیادی اَثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اندر خدا کی باتوں کی اِلٰہی عظمت کا ایک حقیقی احساس بیدار کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہم اِس بات کے قائل ہو جائیں کہ مسیح اِلٰہی ذات ہے، لیکن پھر بھی اُس حقیقت کی شیرینی کو نہ پا سکیں۔ ممکن ہے کہ ابھی تک ہمارے دِل یا جان میں اُس کے لئے کوئی محبت پیدا نہ ہوئی ہو۔ رُوح ہمارے اندر خدا کی باتوں کی عظمت کے لئے ایک حساسیت بیدار کرتا ہے۔ لیکن وہ خدا کے کلام کے برخلاف کام نہیں کرتا۔ رُوح کلام میں، کلام کے ساتھ اور کلام کے وسیلے سے کام کرتا ہے۔ دُوسرے لفظوں میں، وہ ہمیں خدا کے مکاشفہ تک لے جاتا اور اُسے ہمارے سامنے اِس طرح ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کی سچائی کے خلاف ہماری فطری مخالفت اور میلان کو مغلوب کر دیتا اور اُس کی خوب صورتی ہمیں دِکھاتا ہے۔ جس طرح حزقی ایل نے اُس طومار کو، جس میں کڑوی باتیں تھیں، نگل لیا اور وہ اُس کے منہ میں شہد کی مانند میٹھا ہو گیا (حزقی ایل ۳:۳)۔ اُسی طرح خدا کے کلام کے اَلفاظ اُن سب کے لئے میٹھے ہو جاتے ہیں جو اُنہیں رُوح کی روشنی کے تحت دیکھتے ہیں۔

---

[1] Jonathan Edwards, "A Divine and Supernatural Light, Immediately Imparted to the Soul by the Spirit of God, shown to be Both Scriptural and Rational Doctrine: http://www.ccel.org/e/edwards/sermons/supernatural_light.html, accessed July 5, 2012.

مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول لیگنئیر منسٹریز کے بانی، سینٹ اینڈریوز چیپل، سانفورڈ، فلوریڈا میں منادی اور تعلیم کے پہلے خادم، رِیفارمیشن بائبل کالج کے پہلے صدر اور ٹیبل ٹاک رِسالہ کے اِنتظامی مدیر تھے۔ اُن کا ریڈیو پروگرام: "Renewing Your Mind" آج بھی دُنیا بھر کے سینکڑوں ریڈیو اسٹیشنوں پر روزانہ نشر ہوتا اور آن لائن بھی سنا جاسکتا ہے۔ وہ ایک سو سے زائد کتب کے مصنف تھے، جن میں: The Holiness of God, Chosen by God, and Everyone's a Theologian. شامل ہیں۔ وہ کلامِ مقدّس کی لاخطایت کے مدلل دِفاع اور خدا کے لوگوں کی جانب سے اُس کے کلام پر یقین اور اِستقامت کے ساتھ قائم رہنے کی ضرورت کے سبب دُنیا بھر میں پہچانے جاتے تھے۔

کیا رُوح القدس ایک قوت ہے؟ کوئی کائناتی توانائی؟ یا حقیقت میں خدا ہے؟

رُوح القدس کی ذات اور اُس کے کام کے متعلق عصرِ حاضر میں غیر معمولی دِلچسپی پائی جاتی ہے، مگر ساتھ ہی بہت سی اُلجھن بھی موجود ہے، کیوں کہ بہت سے لوگ اِس بات کو پوری طرح سے نہیں سمجھتے کہ رُوح القدس کون ہے اور وہ ہماری زِندگیوں میں کس طرح کام کرتا ہے۔ بعض لوگ تو یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ رُوح القدس اُن سے بائبل مقدس سے ہٹ کر بھی کلام کرتا ہے۔

اِس مختصر کتابچہ میں ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول اِس اُلجھن کو دُور کرنے کے لئے کلامِ مقدّس کی طرف رجوع کرتا اور رُوح القدس کی ذات کو واضح کرنے کے بعد ڈاکٹر سپرول مختصراً اُس کے کام کو اِس دُنیا میں بیان کرتا ہے کہ وہ کس طرح بے اِیمانوں کو نئی پیدایش عطا کرتا، خدا کے لوگوں کی تقدِیس کرتا اور اُنہیں قوت دیتا ہے۔

ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول لیگونیئر منسٹریز کے بانی، سینٹ اینڈریوز چیپل، سانفورڈ، فلوریڈا میں منادی اور تعلیم کے پہلے خادم اور رِیفارمیشن بائبل کالج کے پہلے صدر تھے۔ وہ ایک سو سے زائد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں ”دی ہولینس آف گاڈ“ بھی شامل ہے۔

لیگنیئر لائبریری

UCRT
URDU CENTER FOR REFORMED THEOLOGY
اُردو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی